نمرہ احمد

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے۔ جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مرجاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں' جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی، ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیرواں سے' جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے' بہانے سے پاس ورڈ حاصل کر کے سعدی کو سونیا کی سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جا کر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور' ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے' جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کر کے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمیج ہو جاتی ہیں۔

سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے' حنین حیران ہو کر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "ٹمس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہو جاتی ہے۔

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس' زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہو کر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کر دیتی ہیں۔ وارث غازی' ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کر رہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی ہاشم کو خبردار کر دیتا ہے۔ ہاشم' خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضایع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کر رہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں بہت مجبور ہو کر ہاشم' خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث' فارس کو وہ سارے شواہد میل کر دیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم' فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔ زرتاشہ مر جاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی' زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً" بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین' وارث کیس کی اپیل ہائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں' مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں' جس کی بنا پر زمر کو

دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات' زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے' اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھالیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی' فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کرسکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالر شپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہوتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بدگمان ہوجاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کرلیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہوگی۔

ہاشم حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہوجاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کروا چکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔

جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کررہا ہے۔

فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جارہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کر لے جاچکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کردیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہوجاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہوجاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہوچکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو ماردیں گے۔

ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔

وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کے کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔

تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا' یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔

حنین، نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے، وہ کہتی ہے کہ نوشیرواں پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔

سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔

سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کردیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔

سعدی، زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔

"مثلاً "کون؟" زمر نے پوچھا۔

"مثلاً"... مثلاً "ہاشم کاردار..." سعدی نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہوگئی۔

زمر کو ہاشم کاردار کے ملوث ہونے پر یقین نہیں آتا سعدی، زمر سے کسی اچھے وکیل کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ریحان خلجی کا نام لیتی ہے۔ سعدی فارس کا وکیل بدل دیتا ہے۔

حنین، علیشا کو فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ جیل میں ہے کیونکہ اس نے چوری کی کوشش کی تھی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی نے وہ آڈیو حاصل کرلی ہے۔ جس میں فارس کا جعلی فون ٹیپ ہے لیکن وہ مطمئن ہے کہ جج تو ان کا ہے۔

ہاشم کی بیوی شہرین ایک کلب میں جوا کھیلتی ہے اس کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان ہی کیمروں میں ہے۔ اسے غائب کرانے کے لیے سعدی کی مدد لیتی ہے۔

ریحان خلجی عدالت میں زمر کو لاجواب کردیتا ہے۔ یہ بات فارس کو اچھی نہیں لگتی۔

فارس جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا ساتھی غلطی سے زمر کو اس میں استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمر کا غصہ فارس کے خلاف مزید بڑھ جاتا ہے۔

زمر فارس سے ملتی ہے تو فارس کہتا ہے کہ ایک بار وہ اس کے کیس کو خود دیکھے۔ فارس کہتا کہ وہ زمر سے معافی نہیں مانگے گا۔

جیل سے علیشا، حنین کو خط لکھتی ہے وہ حنین سے کہتی ہے تم میں اور مجھ میں ذہانت کے علاوہ ایک اور چیز مشترک ہے ہے ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی فطرت۔ اس لیے کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ گناہ مت کرنا ورنہ کفارے دیتے عمر بیت جائے گی۔

حنین کو اپنا ماضی یاد آجاتا ہے جب اس نے کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا تھا اور وہ شخص صدمہ سے دنیا سے رخصت ہوگیا تھا۔ وہ کفارہ کے لیے آگے پڑھنے سے انکار کردیتی ہے۔ وہ سعدی کو یہ ساری بات بتاتی ہے تو سعدی کو شدید صدمہ ہوتا ہے۔

اورنگ زیب، نوشیرواں کو عاق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ جان کر جواہرات غصہ سے پاگل ہوجاتی ہے۔ وہ اورنگ زیب کو قتل کردیتی ہے اور ڈاکٹر سے مل کر اسے بلیک میل کر کے ________ پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی اپنی مرضی کی حاصل کرلیتی ہے۔

دسویں قسط

"عقد"

وہ خائن وقت کی کچھ بددیانت ساعتیں ہوں گی
میرے اندر کا "میں" محبوس کر ڈالا گیا، پر ہول
زنداں میں!
بڑا ہی لاابالی وقت تھا
جی ہو گیا ایک مشتعل بچہ!

درِ زنداں میں مقفل کر کے چابی قلزمِ لولاک میں
پھینکی
کہیں تو وسعتِ افلاک میں پھینکی
وہ چابی اب نہیں ملتی!
مقفل در نہیں کھلتا!
مجھے تو خود سے ملنا تھا....
میں کب تک وسعتِ افلاک چھانوں گا؟
کہاں تک دھند میں کھوئے ہوئے آفاق چھانوں گا؟
(سید نصیر شاہ)

سبزہ زار پہ میری اینجیو کھڑی ابھی تک سعدی سے بات کر رہی تھی۔ جواہرات سینے پہ بازو لپیٹے چلتی قریب آئی تو آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔

"میرا خیال ہے' بلکہ جتنا تمہارے بیٹے کے کینسر کو میں نے ریسرچ کیا ہے' وہ آپریشن کے بعد ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر مت کرو۔ بیماری کا جلد علم ہو جانا تو اچھی بات...." وہ اسے تسلی دیتے مڑا تو جواہرات اور شیرو آتے دکھائی دیے۔ سعدی نرمی سے مسکرایا اور سر کو خم دے کر سلام کیا۔

"مسز کاردار! آپ کو پہلے سے بہتر دیکھ کر خوشی ہوئی۔"

"ان دنوں میں اتنی دفعہ دیکھ چکے ہو' فرق تو نظر آیا ہو گا۔" وہ بظاہر مسکرائی اور عین اس کے سامنے آ رکی۔ سعدی کو.... کچھ محسوس ہوا۔ نگاہیں جواہرات کے کندھے کے پیچھے شیرو تک گئیں' جو تنفر سے اسے گھور رہا تھا۔

"پوچھ سکتی ہوں میری ملازمہ سے کیا بات ہو رہی تھی؟" وہ اب بھی مسکرا رہی تھی' مگر آنکھوں سے شعلوں کی لپٹیں اٹھ اٹھ کر باہر کو آتی تھیں۔

"میری نے مجھے بتایا تھا اپنے بیٹے کے کینسر کے بارے میں۔ میں نے اس کو انٹرنیٹ پہ سرچ کیا تو...."

"یہ ہاشم کو بتانے والے مسئلے ہیں میری اینجیو' یا گھر آنے والے ہر دوسرے شخص کو؟" مسکرائی مگر سلگتی آنکھوں سے میری کو گھورا۔ اس کا چہرہ پھیکا پڑا۔ وہ سوری کہتی' ندامت سے سر جھکائے الٹے قدموں مڑ گئی۔ سعدی کی مسکراہٹ سمٹی۔ اچنبھے سے جواہرات کو دیکھا۔

"آئی ایم سوری مسز کاردار! میں آپ کی خیریت پوچھنے آیا تھا اور...."

"خیریت پوچھنے یا یہ معلوم کرنے کہ اورنگ وصیت میں تمہاری بہن کے نام کچھ چھوڑ کر تو نہیں گئے؟"

سعدی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ "جی؟" اس نے بے یقینی سے ان دونوں کو دیکھا۔

"میرے بیٹے کے خلاف اس کے باپ کے کان بھرتے وقت تمہاری بہن نے ذرا احساس نہیں کیا کہ یہ صدمہ اورنگ زیب کی جان لے سکتا ہے؟ بلکہ صرف وہی کیوں' تم دونوں شامل تھے نا اس ڈرامے میں! کیا سوچا تھا؟ اپنے بیٹے کو ڈس اون کر کے اپنی جائیداد تم لوگوں کے نام لکھ جائے گا وہ؟" مسکراہٹ ہنوز لبوں پہ تھی' مگر آواز غصے سے بلند ہو رہی تھی۔

"مسز کاردار! آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" سعدی نے ناگواری سے انہیں ٹوکا۔ جواہرات کی آنکھوں کی رگیں گلابی پڑنے لگیں۔ سینے پہ بازو لپیٹے وہ دو قدم مزید آگے آئی۔

"کیا تھا اگر تم دونوں اورنگزیب کے بجائے مجھے یا ہاشم کو تنہائی میں وہ سب بتا دیتے' مگر تم نے ذرا اس شخص کا احساس نہیں کیا؟ اس کو اندر ہی اندر یہ غم کھا گیا سعدی! اور وہ اس حالت میں مرا کہ اپنے بیٹے سے ناراض تھا' اور اس سب کے ذمہ دار تم ہو۔" اس بات پہ سعدی نے فوراً" سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی ہاں بالکل' اپنے آپ کو اغوا بھی میں نے کیا تھا اور جھوٹ بول کر باپ سے پیسے بھی میں نے مانگے تھے نا۔" وہ تنے ابرو کے ساتھ ناگواری سے بولا تو جواہرات لمحے بھر کو چپ ہوئی۔

"اے.... میرے باپ کا نام بھی نہ لینا۔" نوشیرواں نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ انگلی اٹھا کر تنبیہہ

کی۔ "تم لوگوں نے ان کو میرے خلاف ورغلایا تھا' اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

"میں معافی مانگ بھی نہیں رہا۔ میں صرف مسز کاردار کی طبیعت پوچھنے آیا تھا۔" وہ بمشکل ضبط کر پایا۔

"میری طبیعت دیکھ لی تم نے؟ میرا شوہر اس حالت میں مرا کہ وہ شیرو کو ڈس اون کرنے والا تھا۔ دیکھ لیا ہم کتنی اذیت میں ہیں؟"

نوشیرواں نے قدرے چونک کر ماں کو دیکھا۔ وہ سعدی کو دیکھتی تکلیف اور برہمی سے کہہ رہی تھی۔

"اس سے پہلے بھی تم شیرو کی زندگی تنگ کرتے رہے ہو' مگر اس دفعہ تم لوگوں نے حد کر دی سعدی!" یہ آخری فقرہ شیرو کو دیکھ کر ادا کیا' جس پہ اس کا غصہ مزید بڑھا اور اس نے نفرت سے (ہونہہ) سر جھٹکا۔

سعدی نے ایک ناپسندیدہ نظر دونوں پہ ڈالی۔ سر کو خم دیا (بہت اچھا)۔ وہ قدم پیچھے ہٹا' اور پھر نوشیرواں کو مخاطب کیا۔

"تم نے کبھی وہ کچرے کے ڈبے دیکھے ہیں نوشیرواں! جو سڑک کنارے نصب ہوتے ہیں۔ ان پہ لکھا ہوتا ہے' Use Me۔ تم نے بھی خود پہ یہی حروف لکھوا رکھے ہیں۔ جو بھی آئے' اپنا کچرا صاف کرنے کے لیے تمہیں استعمال کرے (جواہرات پہ تیز نظر ڈالی) اور چلا جائے۔ سو میں مزید آپ کے ان گیمز کا حصہ نہیں بن سکتا۔ اللہ حافظ۔"

وہ مڑا اور مخالف سمت چلتا گیا' اور جب تک نوشیرواں کو اس کا طنز سمجھ آیا' وہ دور جا چکا تھا۔

"الو کا...." وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ "اگر یہ دوبارہ ادھر آیا نا ممی تو۔"

"اگر غیرت ہو گی تو دوبارہ اس گھر میں داخل نہیں ہو گا' اور اتنا مجھے یقین ہے کہ وہ غیرت والوں میں سب سے زیادہ غیرت والا ہے۔"

جواہرات اذیت سے مسکراتی' اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔ نوشیرواں کے اندر کی آگ ٹھنڈی ہونے لگی۔ ڈھیلے پڑتے ہوئے اس نے گہری سانس لی' اور مڑنے لگا' پھر یکایک رکا۔

"وہ آپ نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے کہا تھا نا؟ ڈیڈ مجھے ڈس اون تو نہیں کرنے لگے تھے نا؟" جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا جو قدرے تذبذب' مگر امید سے اسے دیکھ رہا تھا۔

جواہرات کی مسکراہٹ پھیکی پڑی' آنکھوں کی سفیدی گلابی ہوئی۔ نم گلابی۔

"نہیں' وہ تمہیں.... تمہیں کبھی ڈس اون نہیں کر سکتے تھے۔ یہ میں نے صرف.... بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے کہا تھا۔"

اثبات میں سر ہلا کر تصدیق کی۔ بہت سے آنسو اندر اتارے۔ نوشیرواں پُرسکون سا ہو کر آگے بڑھ گیا۔ جواہرات نے ہاتھوں کی نمی چھپانے کے لیے مٹھیاں بند کر لیں۔ پھر گردن موڑ کر برآمدے میں کھڑی میری کو دیکھا۔ اس کا کیا کرے؟ اصل گواہ جو خود بھی اپنی گواہی سے لاعلم تھا' وہ تو ابھی ادھر ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

ترک تعلقات کوئی مسئلہ نہیں
یہ تو وہ راستہ ہے کہ بس چل پڑے کوئی

سعدی سرخ کانوں اور تنے تاثرات کے ساتھ قصر کاردار کے داخلی گیٹ سے باہر نکلا ہی تھا' تاکہ اپنی کار تک جائے کہ سامنے سے زمر کی کار آتی دکھائی دی۔ وہ قدم قدم چلتا سڑک پہ جا کھڑا ہوا۔ پہاڑی پہ بل کھاتی سڑک ویران تھی۔ اردگرد کوسوں کے فاصلے پہ اونچے محلات تھے' جو کاردارز کے قصر کی مانند وسیع سبزہ زار میں گھرے تھے' سوائے سڑک سے آس پاس کی محض دیواریں دکھائی دیتی تھیں۔ زمر نے کار وہیں روک دی۔ اسے اشارہ کیا۔ وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آ بیٹھا۔

"آپ ادھر کیسے؟"

"جنازے کے بعد دوبارہ آ نہیں سکی' سو اب مسز کاردار کے لیے آئی تھی۔ وہ ہسپتال میں مجھے وزٹ

کرنے اکثر آتی تھیں' میرا آنا بنتا ہے۔" خشک 'سپاٹ انداز میں' ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے وضاحت دی۔ سعدی نے ڈیش بورڈ پہ نظریں جمائے انتظار کیا کہ وہ شاید کہے (جب تم میرے پاس نہیں تھے' تب وہ آتی تھیں) مگر وہ گلہ ہی تو نہیں کرتی تھی۔

"اور تم ادھر کیسے؟" چہرہ موڑ کر اسے دیکھا تو سعدی نے بھی اس کی جانب گردن پھیری۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ دونوں نے عہد کر رکھا تھا کہ دل کی بات نہیں کہنی۔

"مسز کاردار کو دیکھنے آیا تھا اور اب اچھے سے دیکھ چکا ہوں۔ سو واپسی کے سفر کی تیاری کر رہا تھا۔"

زمر چند لمحے خاموش رہی۔ پھر نرمی سے کہنے لگی۔

"میں نے معلوم کیا تھا' ہاشم اس کیس میں ملوث نہیں ہے۔ کم از کم بظاہر تو نہیں ہے۔"

"خود معلوم کیا یا کسی اور نے کر کے دیا؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا' کیونکہ اس کے نزدیک دونوں میں اتنا فرق تھا جتنا پہلے اور ساتویں آسمان میں۔

"خود نہیں کیا مگر..." وہ رکی "بصیرت صاحب نے اسے چیک کیا تھا' اس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اس معاملے سے' مگر تم بتاؤ' تمہیں ایسا کیوں لگا کہ ہاشم اس میں ملوث ہو سکتا ہے؟"

"مجھے تو ایسا کچھ نہیں لگا۔ بس جس کا نام منہ میں آیا بول گیا۔ آئی ایم سوری' مجھے یوں کسی پہ الزام نہیں لگانا چاہیے تھا۔" اس نے سادگی سے معذرت کر لی۔ زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

"تم نے اس کے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ دی' میں اتنے دن اس کی پوچھ گچھ کرواتی پھر رہی تھی اور اب تم کہہ رہے ہو کہ تم نے یونہی کہہ دیا تھا؟" شدید غصے کو بمشکل اس نے ضبط کیا۔ تو وہ سارے دن جو اس نے فارس کے حق میں کوئی بھی بات ڈھونڈنے میں صرف کیے' وہ سب ایک مذاق تھا؟

"میری سمجھ میں نہیں آیا کس کا نام لوں۔ بس ان کا لے لیا۔ یہ لوگ۔" انگلی سے قصر کاردار کی جانب اشارہ کیا "اب میرے ساتھ پہلے کی طرح برتاؤ نہیں کرتے۔ مجھے شاید اسی بات کا غصہ تھا۔" وہ بمشکل ضبط کرتی اسے گھورتی رہی۔ اس نے ندامت سے سر جھکا دیا۔ آہستہ سے بولا۔ "سوری!"

"اور تم نے ہاشم سے یہ کیوں کہا کہ وہ آڈیو میں نے نکلوا کر دی تھی؟" سعدی نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"یعنی انہوں نے آپ سے پوچھا؟" تو پھر کیا کہا آپ نے؟"

"جو مجھے کہنا چاہیے تھا۔"

"معلوم ہے۔ تب ہی یہ کہا تھا۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔ سب کچھ ویسے ہی ہوا تھا جیسے اس نے سوچا تھا۔

"میں ان سے خفا تھا' کیونکہ وہ بھی آپ ہی کی طرح فارس ماموں کو قاتل خیال کرتے ہیں' اور اب چونکہ میں ماموں کے لیے کوشش کر رہا ہوں' تو وہ مجھ سے خفا ہیں۔ مگر مجھے اچھا لگا کہ آپ نے میرا مان رکھا۔ اور آپ ماموں سے ملنے جیل گئیں' اس کے لیے شکریہ۔"

"کیا تمہارے ماموں نے تمہیں یہ بتایا کہ اس نے مجھے استعمال کر کے جیل توڑنے کی کوشش کی؟"

سعدی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ "کیا مطلب؟"

زمر نے محض چند فقرے تفصیل بتانے پہ ضائع کیے' جس کے بعد سعدی کی رنگت زرد پڑتی چلی گئی۔

"آئی ایم شیور پھپھو! کوئی غلط فہمی ہو گی ورنہ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔ میں ان سے۔"

"سعدی! میں تھک گئی ہوں!" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کو بولنے سے روکا۔ "میں نے اس کیس سے بھی خود کو الگ کر لیا ہے۔ میں مزید فارس کے مسئلوں میں نہیں الجھنا چاہتی۔ پھر بھی میں دوبارہ الجھی۔ اتنے دن میں نے پہلی دفعہ فرض کرنا شروع کیا کہ وہ بے گناہ ہو سکتا ہے' مگر اس نے پھر وہی کام کیا۔ مجھے مزید مت سمجھاؤ۔ اپنے ماموں کو سمجھاؤ کہ خدارا اپنے اور دوسروں کے اوپر رحم کرے۔ مجھے مزید مت ستائیے۔ میں نے اس کا کیس خود پراسیکیوٹ نہیں کیا'

میں اب گواہی بھی واپس لے چلی ہوں اور کیا چاہتے ہو تم لوگ مجھ سے؟ جب میرا دل کہتا ہے کہ وہی میرا مجرم ہے تو مجھے زبردستی اس کو بے گناہ کہنے پہ مجبور مت کرو۔ میں نے کوشش کی تھی، میں ہر چیز ایک طرف رکھ کر اس کے پاس گئی۔ اس کے لیے ہاشم کو بھی مشتبہ بنا دیا۔ مگر اس نے پھر وہی کیا۔"

وہ کتنی ہی دیر چپ بیٹھا رہا۔ سر جھکائے۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے آپ کو ان کے پاس جانے کے لیے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ آپ کی تکلیف ہم میں سے سب سے زیادہ ہے۔ وہ جیل سے چھوٹ جائیں، تب بھی نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں، آپ نہیں شروع کر سکتیں۔ کم از کم اتنے آرام سے نہیں۔ آئی ایم سوری۔ اب ہم اس بارے میں بات نہیں کریں گے۔ لیکن۔" اس نے چہرہ اٹھا کر امید سے زمر کو دیکھا۔

"مجھ سے ایک وعدہ کریں۔ ایک دن میں آؤں گا آپ کے پاس ثبوت لے کر، تب آپ کا مجھے سننا ہو گا اور اگر وہ ثبوت قابل قبول ہوا تو اسے ماننا بھی ہو گا۔"

"شیور!" اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ "میں تو تم سے ہمیشہ کہتی رہی ہوں، مجھے کوئی ایسی بات بتاؤ جو میں مان بھی سکوں۔ تو میں ضرور مان لوں گی۔" پھر وہ چپ ہو گئی۔ "سعدی میں تم سے پھر کہہ رہی ہوں، اگر کوئی ایسی بات ہے، جو فارس کے حق میں جاتی ہو تو مجھے بتاؤ۔ میں ایک دفعہ پھر اس کی یہ حرکت بھی نظر انداز کر کے اس کے لیے کوشش کرنے کو تیار ہوں۔ اگر کوئی تیسرا شخص ملوث ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"نہیں پھپھو۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ آپ جو سوچتی ہیں، ابھی وہی سوچتی رہیں۔ کچھ ملا مجھے تو آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔ آپ بس اپنا خیال رکھیں۔"

"میرے لیے افسردہ مت ہو بیٹا! میں ٹھیک ہوں۔" اس سے نگاہ ملائے بنا وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔ وہ کچھ دیر اس کا چہرہ تکتا رہا۔

"آپ کی برتھ ڈے ہے اگلے مہینے، میں نے ایک کتاب آپ کے لیے رکھی ہے۔ کبھی وقت ملے تو اسے پڑھیے گا۔ اس میں دل کی بیماریوں کی شفا ہے۔"

خاموشی دوبارہ دونوں کے بیچ حائل ہو گئی۔ پھر زمر نے اسے دیکھا، وہ ہنوز اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ زمر کی نگاہیں اس کے چہرے سے ہاتھوں پہ پھسلیں اور سیاہ کی چین پہ آٹھہریں جو اس نے انگلیوں میں پکڑ رکھی تھی۔ اس پہ سنہرے حروف میں لکھا تھا۔

"Ants Everafter"

"نئی لی ہے؟" گو کہ اب وہ تعلق نہیں رہا تھا، نہ بے تکلفی، مگر وہ پوچھ بیٹھی۔ اس نے جواباً گردن جھکا کر کی چین کو دیکھا، نفی میں سر ہلا دیا۔

"اونہوں۔ علیشا نے حنین کو دی تھی۔ حنین کے لیے اس کے ساتھ تکلیف دہ یادیں جڑی ہیں، سو یہ میں نے رکھ لی۔ آج صبح گھر سے نکلنے سے پہلے یونہی حنہ کے کمرے میں گیا اور اٹھا لایا۔" سیاہ ہیرے نما پتھر پہ انگلی پھیرتے وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے یہ اچھا لگتا ہے۔ بالخصوص یہ عبارت۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" اس کی آواز میں قدرے نرمی در آئی تھی۔ پوچھتے ہوئے وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ کیا یہ وہی بچہ تھا جس کو اس نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا؟

"جب میں چھوٹا تھا پھپھو تو ابو کے ساتھ فجر پڑھنے مسجد جایا کرتا تھا۔ تب وہاں مسجد کی دیوار پہ چھت سے فرش تک چیونٹیوں کی قطار ہوتی تھی۔ ہر موسم میں، ہر گھڑی میں۔ تب ابو کہا کرتے تھے 'اگر مجھے کچھ ہو جائے سعدی تو تم اپنے خاندان کا خیال رکھنا۔ بڑے ابا ایک کمزور مرد ہیں مگر تمہیں بہادر بننا ہے۔ تم سعدی! میرے بعد اس خاندان کے بڑے مرد ہو گے۔ اور تمہارے خاندان کی عورتیں، بوڑھے اور بچے، یہ سب چیونٹیوں کی طرح ہیں، کمزور اور نازک۔ اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ دنیا میں دو ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، بادشاہ اور چیونٹیاں۔ تم سعدی اپنی چیونٹیوں کو جوڑ کر

رکھنا۔ تم سعدی! میرے بعد اپنے خاندان کے سربراہ ہو گے۔" کی چین سے نظریں اٹھا کر اس نے اداس مسکراہٹ سے زمر کو دیکھا۔ "اور میں پچھلے کئی برس سے یہی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں' اور کرتا رہوں گا۔ آپ' حنہ' امی' سب ایک جیسی ہیں۔ چیونٹیاں' اور معلوم ہے پھپھو' چیونٹیوں میں کیا قدر مشترک ہوتی ہے؟"

وہ کتنا پیارا بولتا تھا' معصوم اور سادہ۔ نگاہیں اس پہ جمائے زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اس کی جانب جھکا اور آہستہ سے بولا۔

"وہ یہ کہ۔۔۔ ساری چیونٹیاں اندھی ہوتی ہیں۔" اور پھر اس نے لاک کھولا' دروازہ وا کیا اور سلام کر کے باہر نکل گیا۔ زمر اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے کتنی دیر وہیں بیٹھی اسے جاتا دیکھتی رہی۔ لمحے بھر کو اس کا دل چاہا کہ اسے روک لے' مگر۔۔۔ روکنے کے لیے کوئی بہانا نہیں تھا۔

اگلے ڈیڑھ سال تک اس نے سعدی کو نہیں دیکھا۔ نہ وہ اس کی موجودگی میں آیا' نہ وہ ان کے گھر گئی۔ یہاں تک کہ ہاشم نے ایک روز آکر اس سے کہا کہ وہ سعدی کو سونی کی سالگرہ کا کارڈ دے آئے۔۔۔ اور چار سال بعد زمر کو وہ بہانہ مل ہی گیا جس کی لاشعوری طور پہ اسے تلاش تھی۔

☼ ☼ ☼

شوق اپنے بھی کیا نرالے ہیں
آستینوں میں سانپ پالے ہیں

جس وقت زمر اور سعدی باہر کار میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے' قصر کے اندر اپنے کمرے میں اونچی کرسی پہ بیٹھی جواہرات' انگلی کی انگوٹھی گھماتے' سوچ میں گم تھی۔ کمرے کے کھلے دروازے سے لاؤنج میں نئی فلپینو لڑکی فیونا بکٹ اور موپ لیے سیڑھیاں صاف کرتی نظر آرہی تھی۔

دفعتا" جواہرات نے موبائل نکالا اور ایک نمبر ملا کر اٹھی' دروازہ بند کیا اور پھر فون کان سے لگایا۔

"جی ڈاکٹر آفتاب۔ کیا حال ہیں؟ فیملی کیسی ہے آپ کی؟"

"سب۔۔۔ ٹھیک ہیں مسز کاردار۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" وہ پھیکا سا مسکرا کر بولے۔

"ہوں۔ ایم فائن۔" نخوت سے بولی' ذرا وقفہ دیا۔ "پوسٹ مارٹم رپورٹ پڑھ لی تھی میں نے۔ میں مطمئن ہوں۔ اب آپ مجھے بتائیں' کیا کوئی اور غیر مطمئن تو نہیں؟"

"نہیں۔" وہ لمحے بھر کو رکے۔ "ہاشم۔۔۔ اور ان کے سیکیورٹی آفیسر خاور۔۔۔' ان دونوں نے مجھ سے پوچھا تھا' اورنگ زیب صاحب کے چہرے کے بارے میں۔"

"کیا پوچھا تھا؟" اس کا سانس رک گیا۔

"کاردار صاحب کی موت سر کی چوٹ کی وجہ سے نہیں ہوئی' دم گھٹنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اسمودرنگ کے باعث ناک اور اس کے اطراف کا حصہ کافی سفید سا پڑ گیا تھا۔"

"تو آپ نے کیا کہا؟" وہ جلدی سے بولی۔

"یہی کہ کاردار صاحب کا استھما بگڑا تھا' وہ اسی وجہ سے گرے تھے' اور چوٹ لگی' موت بھی اسی وجہ سے ہوئی۔ وہ دونوں ڈاکٹرز نہیں ہیں' مطمئن ہو گئے تھے' کیونکہ بہرحال کاردار صاحب کو شدید دمہ تو تھا ہی۔ ویسے بھی homicidal smothering کی تشخیص بہت مشکل سے ہو پاتی ہے۔ سو میں نے وہ بات سنبھال لی تھی۔ یہ ایک طبعی موت تھی۔"

جواہرات کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ چند معمول کی باتیں کر کے فون رکھ دیا۔ پھر اٹھ کر دروازہ کھولا۔ فیونا صفائی کرتی اب آخری زینے تک آچکی تھی۔ جواہرات نے اسے ہلکے سے آواز دی۔ وہ چیزیں رکھ کر مودب سی چلی آئی۔

"ٹھنڈی ہوا آرہی ہے' دروازہ بند کر دو۔" وہ واپس کرسی پہ آن بیٹھی اور مسکراتی آنکھوں سے اشارہ کیا۔ فیونا

سبک رفتاری سے دروازہ بند کر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ جواہرات نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ سیاہ بالوں کی پونی بنائے ــــ چینی نقوش والی خوش شکل اور کم عمر لڑکی تھی۔

"کام میں دل لگ گیا ہے تمہارا؟"

"جی۔ میری اینجیو نے سب سکھا دیا ہے مجھے۔" قدرے شرما کر بولی۔

"ہوں۔ پیچھے گھر میں کون ہوتا ہے تمہارے؟"

"ماں اور چار بہنیں' ایک بھائی۔ میں سب سے بڑی ہوں۔" سر جھکائے اس نے لب کچلے۔ آنکھوں میں نمی آئی۔

"تمہاری تنخواہ سے ان کا گزر بسر اچھا ہوتا ہو گا مگر بھائی کو پڑھانا' عزت دار نوکری دلوانا' یہ سب تو مشکل ہو گا۔۔۔ ہوں؟" وہ اپنے کان کے بندے پہ انگلی پھیرتی غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ فیونا نے جھکے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"یہ تو ہے۔"

"کاش میں تمہاری تنخواہ بڑھا سکتی' مگر میری اینجیو ہیڈ اسٹاف ہے اور تم صرف ایک ماتحت میڈ۔ ہاں اگر تم میری اینجیو کی جگہ ہوتیں تو لاکھوں میں کھیلتیں' لیکن۔۔۔" فیونا نے جھکی پلکیں اٹھائیں۔ امید اور خوف کے ملے جلے تاثر سے اسے دیکھا۔

"لیکن؟"

"اس کی پوزیشن پہ پہنچنے میں تو تمہیں سات آٹھ سال لگ جائیں گے۔ اس کا اگلے تین سال تک کا معاہدہ رہتا ہے ہمارے خاندان سے۔ اور اس کی رو سے میں اسے بے وجہ نکال نہیں سکتی۔" وہ رکی۔ فیونا نے تابعداری سے اثبات میں سر ہلایا۔ "جی' وہ بہت اچھا کام کرتی ہے۔"

"مگر وہ تمہاری طرح تیز اور پھرتیلی نہیں ہے۔ اس کو اپنے بچے کی فکر کھائے جاتی ہے' جس کو وہ فلپائن میں چھوڑ آئی ہے۔ تم اس سے بہتر ہیڈ اسٹاف بن سکتی ہو۔"

"مگر۔۔۔ یہ ممکن نہیں کیونکہ وہ اگلے کئی سال تک اسی پوسٹ پہ رہے گی اور آپ اسے نکال بھی نہیں سکتیں۔" قدرے مایوسی اور بے دلی سے کہتے اس کی آنکھیں پھر جھکیں۔

"میں نے یہ نہیں کہا کہ میں اسے نکال نہیں سکتی۔ چاہوں تو ابھی نکال دوں۔ کھڑے کھڑے۔۔۔ مگر اس کے لیے وجہ کا ہونا ضروری ہے۔"

"وجہ؟" فیونا نے چونک کر اسے دیکھا۔ الجھن سے ابرو سکیڑے۔

"ہاں' جیسے چوری۔" بندے کو دو انگلیوں سے مسلتے وہ مسکرائی۔

"جس دن اس نے چوری کی' وہ ڈی پورٹ کر دی جائے گی۔ اور مجھے معلوم ہے وہ جلد یا بدیر چوری ضرور کرے گی۔ اسے اپنے بچے کے علاج کے لیے پیسے درکار ہیں' تنخواہ سے بھی کئی گناہ زیادہ۔ جب اسے یہ معلوم ہو گا کہ یہ باکس۔۔۔" سنگھار میز پہ رکھے ننھے سے جیولری باکس کی جانب اشارہ کیا۔۔۔ "جس کا کوڈ میری تاریخ پیدائش سے کھلتا ہے اور اس میں میرا ایک قیمتی نیکلس رکھا ہے تو کیا وہ خود کو روک پائے گی؟ اسے اس بارے میں سوچنا چاہیے' ہے نا۔۔۔ فی اونا؟" ٹھہر ٹھہر کر مسکرا کر اس کا نام ادا کیا۔

زمر کے آنے پہ جب فیونا مسز کاردار کے کمرے سے نکلی تو اس کی آنکھیں ایک انوکھے خیال سے چمک رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼
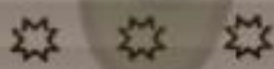
جو کھلی کھلی تھیں عداوتیں مجھے راس تھیں
یہ جو زہر خند سلام تھے مجھے کھا گئے

ہاشم کاردار کا آفس جس فلور پہ تھا اس کی راہداری اسپاٹ لائٹس سے جگمگا رہی تھی' جب سعدی کی لفٹ کا دروازہ کھلا۔ نکلنے سے قبل اس نے لفٹ کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا' ذرا کا گریبان کا اوپری بٹن کھولا' سویٹر کے آستین اوپر چڑھائے' ماتھے پہ ہاتھ مار کر بال ذرا بکھیرے' پھر باہر نکلا۔ تیز قدموں سے راہداری پار کی۔ لمحے بھر کو ہاشم کے آفس کے باہر بنے

ڈیسک پہ رکا۔

"ہاشم اندر ہیں مس حلیمہ؟" ڈیسک پہ لگی نیم پلیٹ پہ نظر ڈال کر سنجیدگی سے پوچھا۔ خوب صورت سی سیکرٹری نے ٹائپ کرتے ہاتھ روکے اور نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"جی' مگر وہ کچھ کام کر رہے ہیں۔ آپ کے پاس اپائنٹمنٹ ہے؟"

"ضرورت نہیں۔" تلخی سے کہہ کر وہ آفس ڈور تک آیا اور دروازہ دھکیلتا اندر داخل ہو گیا۔ حلیمہ ہڑبڑا کر پیچھے لپکی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" بہت غصے سے وہ اس کی میز تک جا پہنچا۔ ہاشم' جو کوٹ پیچھے لٹکائے' شرٹ اور ویسٹ میں ملبوس بیٹھا فائل پہ کچھ لکھ رہا تھا' اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا' پھر پیچھے آتی حلیمہ کو اور آنکھوں سے اشارہ کیا۔ وہ رکی اور پھر پلٹ گئی۔ کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگاتے' اس نے اب سنجیدگی سے سعدی کو دیکھا جو غصیلی آنکھوں اور سرخ کانوں کے ساتھ سامنے کھڑا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" بنا کسی غصے یا تلخی کے ہاشم بولا تو آواز سخت تھی۔ اسے سعدی کا یہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔

"یہ تو آپ بتائیں گے۔" دونوں ہاتھ میز پہ رکھے وہ سامنے کو جھکا۔ "زمر کو کیوں بتایا جو حنین نے آپ کو بتایا تھا؟"

"کیا اتنی بڑی قیامت آگئی ہے سعدی کہ تم اپنے مینرز بھول گئے ہو؟" اب کے اس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ قلم میز پہ رکھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے' ٹیک لگاتے اس لڑکے کو دیکھا۔

"لعنت بھیجتا ہوں میں مینرز پہ۔ مگر آپ کے مینرز کیا ہوئے جب حنہ اور میرا اعتماد توڑا؟"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ زمر تم لوگوں کے لیے غیر ہے۔ بتانے کا شکریہ۔ اب میں کام کر لوں؟" تلخی سے اس کو گھورتے سامنے فائلوں کے ڈھیر کی جانب اشارہ کیا۔ "اور تم بھول گئے ہو تو یاد دلا دوں کہ میں اہم معاملات میں الجھا ہوں اور اپنی تمام کمپنیز اور کارٹیل کی ان دنوں سربراہی کر رہا ہوں کیونکہ میرا باپ سات دن پہلے مرا ہے۔"

"میرا باپ دس سال پہلے مرا تھا' اس لیے کیا ہی اچھا ہو کہ ہم باپوں کو درمیان سے نکال کر بات کریں۔" اس انداز پہ ہاشم نے لب "اوہ" میں سکیڑے' تعجب سے ابرو اٹھائے۔

"تو تم مجھ سے لڑنے آئے ہو؟" اس نے زور سے فائل بند کر کے پرے کی اور ڈھیروں غصہ ضبط کیا۔ سارا موڈ غارت ہو گیا تھا۔

"میری کیا مجال کہ میں آپ سے لڑوں؟ میں صرف آپ کو کنفرنٹ کرنے آیا ہوں اور کنفرنٹ کرنے کے لیے آپ کے آفس سے بہتر جگہ کوئی نہیں تھی۔ سو مجھے بتائیں' کیوں بات کی آپ نے زمر سے؟ انہوں نے مجھ پہ اعتماد کیا تھا' اب کیسے دوبارہ کریں گی؟" وہ کافی بدتمیزی سے کھڑا بول رہا تھا۔

"کیا میں نے تم سے جواب مانگا تھا جب تم نے میرے کیے وکیل کو فائر کیا تھا؟" وہ تلخی مگر ضبط سے بولا تو سعدی مزید بھڑک اٹھا۔

"مانگیں جواب۔ میں دوں گا ہر جواب۔" ساتھ ہی میز پہ زور سے ہاتھ مارا' وہ انتہائی غصے سے اسے گھور رہا تھا۔

"تو کیوں کیا میرے وکیل کو فائر؟"

"کیوں کہ وہ وکیل بھی آپ جیسا تھا ہاشم بھائی۔ آپ کی طرح اسے بھی فارس غازی کی بے گناہی کا یقین نہیں تھا۔ آپ کو کیا لگتا ہے' میں بچہ ہوں؟ اونہوں!" نفرت سے اسے دیکھتے سر نفی میں ہلایا۔

"میری سب سمجھ میں آگیا ہے۔"

"پھر؟ کیا کرو گے تم؟" وہ اب بھی برداشت کر رہا تھا۔

"میں آپ سب پہ ثابت کروں گا کہ یہ قتل انہوں نے نہیں کیے تھے۔ آپ' زمر سب ایک جیسے ہیں۔ آپ سب نے ان کو اکیلا کر دیا ہے۔ اتنے سال میں آپ ایک دفعہ ان سے ملنے جیل نہیں گئے۔ لوگوں کی

باتیں آپ کے دل میں بھی بیٹھ گئی ہیں' اور آپ بھی... آپ بھی باقیوں کی طرح ہی ہیں۔" کہتے ہوئے وہ بے حد ہرٹ اور دکھی سا لگتا پیچھے ہٹا۔ ہاشم سختی اور ناپسندیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وکیل کے بدلاؤ پہ بازپرس کرنے پہ تم مجھ سے ایسے بات کرو گے' تو میں اس ذکر کو نہ چھیڑتا۔" ہاشم کا صدمہ اور غصہ' حقیقی تھا۔

"مجھے آپ کی بات سے فرق نہیں پڑتا۔" وہ پیچھے ہٹتے مزید بلند آواز میں غصے سے بولا تھا۔ "آپ کا امیج میری نظروں میں تباہ ہو چکا ہے۔ اس لیے بتا دوں' آپ کے والد کے چہلم کا دعوت نامہ آیا تھا' میں نہیں آؤں گا' میرے گھر سے کوئی نہیں آئے گا۔ آئندہ ہمیں کسی بھی دعوت پہ بلانے کی زحمت نہیں۔ سمجھے گا' انکار سن کر آپ کو خود شرمندگی ہو گی۔" تنفر سے جذباتی انداز میں کہتا وہ مڑا اور باہر نکل گیا۔ دروازہ بند کرتے اسے اندر کا منظر جو نظر آیا اس میں ہاشم غم و غصے اور قدرے صدمے میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر دروازہ بند کر دیا۔

راہداری میں چلتے سعدی نے گہری سانس لی۔ دانستہ بھڑکائے اور تنے اعصاب کو گویا ڈھیلا کیا۔ ہاتھ اب بھی قدرے لرز رہے تھے' اور دل دھڑک رہا تھا۔ لفٹ کے پاس رکا تو اس کے دھاتی دروازے میں اپنا عکس دیکھتے خود کو شاباش دی۔

"اچھی پرفارمنس تھی سعدی! اگر جواہرات یہ نہ کرتی' تب بھی میں نے ان کے گھر نہ جانے کا کوئی تو بہانہ ڈھونڈنا ہی تھا کہ اب ان کے ساتھ ایک میز پہ کھانا کھانا' ہنس کر بات کرنا' سب عذاب تھا۔ ہر جگہ وارث کا خون نظر آتا۔ سو اچھا کیا تم نے سعدی۔ اب ہاشم بھائی کم از کم یہ نہیں جان سکیں گے کہ میں ان کی اصلیت جانتا ہوں۔ اسے صرف اعتماد توڑنے کا غصہ خیال کریں گے' اگر یہ نہ کرتا تو میرے کھنچے کھنچے رویے سے وہ سمجھ جاتے۔ بہت اچھا کیا سعدی۔ روز ان کی شکل نہ دیکھنے کا بہانہ ڈھونڈ لیا! لفٹ میں کھڑے اترائی کا سفر طے کرتے وہ خود کو نارمل کرتا' داد دے رہا تھا۔ دل البتہ ویران سا تھا۔ آنکھوں میں بار بار نمی آتی جسے وہ سوئیٹر کی آستین سے رگڑ لیتا۔

☼ ☼ ☼

بھولنے والا لوٹ تو آیا
وقت مغرب یا عشاء کا تھا

چھوٹے باغیچے والے گھر میں کچن سے پکتے کھانے کی مہک یوں پھیل رہی تھی جیسے پانی کے گلاس میں ٹپکا انک کا قطرہ پھیلتا ہے۔ ساری فضا اشتہا انگیز خوشبو سے معطر ہو گئی تھی۔ ایسے میں حنین' سعدی کے خالی کمرے میں بے مقصد کرسی پہ بیٹھی تھی۔ کہنیاں میز پہ ٹکائے' چہرہ ہتھیلیوں پہ گرا دیا۔ عینک اتار کر سائیڈ پہ رکھ دی۔ کچھ دیر انگلی سے میز پہ لکیریں کھینچتی رہی۔ پھر یکایک چونکی۔

قریب میں سفید جلد والی کتاب رکھی تھی۔ ساتھ ریپر اور کارڈ۔ سعدی وہ کتاب کسی کو تحفے میں دے رہا تھا؟ اچنبھے سے اس نے کارڈ اٹھایا۔ سالگرہ کا کارڈ' زمر کے نام۔ اوہ۔ پھپھو کی سالگرہ تھی نا چند دن بعد۔ تو سعدی وہ کتاب زمر کو دینے جا رہا تھا۔ یہ وہی کتاب تھی' جو برسوں پہلے اس نے ایک دفعہ یونہی کھول لی تھی۔ اب دوبارہ کھولی تو پہلے صفحے پہ ہاشم کا نام لکھا تھا۔ اس نے نام پہ انگلی پھیری اور مسکرا دی۔ پھر بے مقصد صفحے پلٹتی رہی۔ دفعتاً" درمیان میں ایک ورق پہ رکی۔

سات سو برس پہلے کے زرد زمانوں کو جاتا دروازہ سامنے تھا۔ حنین نے رک کر سوچا کہ اندر جائے یا نہیں' پھر بنا مزید کچھ سوچے اس نے ہاتھ بڑھایا اور اسے دھکیلا۔ لکڑی کے قدیم منقش پٹ وا ہوئے۔ وہاں سے ڈھیروں روشنی کا سیلاب امڈ آیا۔ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

روشنی قدرے تھمی تو اس نے پلکیں جھپکا جھپکا کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ قدیم دمشق کے اس زرد سے مکان کے باہر کھڑی تھی جو مسجد سے ملحقہ تھا۔ ایک زمانے میں اس نے یہاں مجمع میں گھرے ایک "بیمار" کو دیکھا تھا۔ آج یہاں ویرانی تھی۔ سناٹا تھا۔ زرد سی شام اتر

رہی تھی۔ روشنی اب ختم ہو چکی تھی۔ مکان کے اندر چراغ جل رہے تھے۔ پاجامے، لمبی قمیص اور ربن بینڈ لگے بالوں والی حنین اس سارے زرد منظر نامے میں واحد رنگین شے تھی۔ اس نے پہلے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر بلی کی چال چلتی، پھونک پھونک کر قدم رکھتی مکان کے اندر آئی۔ پہلے کمرے کا پردہ ہٹایا اور سر نیچا کر کے اندر داخل ہوئی۔

اس مطالعاتی کمرے میں جگہ جگہ دیے جل رہے تھے یا چند ایک موٹی موم بتیاں۔ دیوار میں بنے خانوں میں کتابیں رکھی تھیں۔ سامنے فرش پہ دوزانو ہو کر شیخ معلم بیٹھے تھے، اور چوکی پہ دھرے کورے پرچے پہ قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھتے جا رہے تھے۔

وہ سینے پہ بازو لپیٹے چوکھٹ میں کھڑی تنقیدی نظروں سے ان کو دیکھنے لگی۔ پھر دل کڑا کر کے پکارا۔

"کیا آپ نے اپنی کتاب ختم نہیں کی؟" وہ سر جھکائے لکھتے رہے۔ حنین نے آنکھیں ناراضی سے سکیڑیں۔ ارد گرد سب زردی مائل تھا، جیسے پرانے زمانے کا پرنٹ ہو اور ایک وہی کلر فل تھی۔ پھر قدم قدم چلتی قریب آئی۔ چوکی کے عین سامنے۔ سر ترچھا کر کے گویا جھانکا۔

"کیا آپ کی کتاب میں واقعی دل کی بیماریوں کا علاج ہے؟" پوچھتے وقت شکل یوں بے نیاز بنائی گویا جواب میں دلچسپی نہ ہو، مگر ساری حسیات جواب پہ لگی تھیں۔

"ہر مرض کی دوا ہے۔ جو اسے جانتا ہے، وہ اسے جانتا ہے، اور جو اسے نہیں جانتا۔" سر جھکائے لکھتے ہوئے وہ بولے تھے۔

"آہ، آپ کے زمانے کے مرض!" اس نے گویا مایوسی سے ہاتھ جھاڑے۔ پھر سامنے بیٹھی، چوکی پہ کہنی رکھی اور ہتھیلی پہ تھوڑی گرائی۔

"طاعون اور دوسرے وبائی مرض ہمارے زمانے میں نہیں ہوتے۔ ہمارے مسئلے اور ہیں، یو نو۔ مگر نہیں، آپ کو کیا پتا۔" پھر جیسے اسے غصہ آیا۔ تیوری چڑھا کر بولی۔ "آپ سات سو سال قدیم کے ایک بوڑھے ہیں۔ ایک نائیو (naive) بوڑھے۔ آپ کو تو یہ تک نہیں معلوم کہ کمپیوٹر کیا ہوتا ہے، انٹرنیٹ کیا ہوتا ہے، ٹی وی شوز کسے کہتے ہیں۔۔۔ اور وہ زندگی کیسے تباہ کرتے ہیں۔ مگر نہیں۔۔۔ اف!" جیسے کراہ کر سر جھٹکا۔ افسوس سے ان کو دیکھا۔

"آپ کی کتاب میری مدد نہیں کر سکتی، کیونکہ اس میں میرے کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔"

وہ ہنوز قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھتے جا رہے تھے تو زچ ہو کر حنین ان کے پرچے پہ جھکی۔ گردن ترچھی کر کے پڑھا۔

"اے ایمان والو! بے شک خمر اور میسر، اور انصاب اور ازلام شیطان کے گندے کاموں میں سے ہیں، پس ان سے بچو تاکہ تم نجات پاؤ۔" حنین نے سر اٹھایا، آنکھیں سکیڑ کر مشکوک نظروں سے ان کو دیکھا۔

"مجھے پتا ہے یہ آیت ہے، مطلب بھی پتا ہے۔ خمر ہوتی ہے شراب۔

میسر ہوتا ہے جوا۔

انصاب ہوتے ہیں بت اور ازلام۔۔۔"

آنکھیں میچ کر ذہن پہ زور دیا۔ "ہاں، فال کے تیر وغیرہ، رائٹ؟

مگر اے شیخ! یہ میرے ملک کی میرے جیسی مڈل کلاس کی لڑکیوں پہ اپلائی نہیں ہوتا۔" نہایت افسوس سے ان کو دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ کے زمانے میں ہوتے ہوں گے دمشق میں شراب کے مٹکے۔ وہ جیسے نسیم حجازی کے ناولز میں ہوتے تھے، ہم تو اس مشروب کا نام بھی نہیں لیتے، لینا پڑے تو انگریزی میں الکحل کہہ دیتے ہیں، انگریزی میں چیزیں کم بیہودہ لگتی ہیں۔"

رازداری سے آگے ہو کر ان کو اطلاع دی۔ وہ سنے بغیر لکھتے جا رہے تھے۔

"بہر حال، شراب، جوا، بت، پانسے، کسی سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں میرا۔۔۔ سو۔" وہ ہاتھ جھاڑ کر اٹھی۔ "آپ کی کتاب میرے کسی کام کی نہیں۔ جیسا

کہ میں نے کہا، آپ سات سو برس پرانے ایک نائیو بوڑھے ہیں۔" قدرے مایوسی، قدرے خفگی سے وہ واپس جانے کو مڑی۔

دو زانو بیٹھے، قلم سے پرچے پہ لفظ اتارتے شیخ نے ہولے سے پکارا۔

"جب شراب حرام کی گئی تھی تو وہ برتن بھی توڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا جن میں وہ پی جاتی تھی۔" وہ اس کو نہیں دیکھ رہے تھے، "غالباً" لکھتے ہوئے اونچا بول رہے تھے۔ حنین نے تاسف سے سر نفی میں ہلایا۔

"جیسا کہ میں نے کہا، آپ کے اور میرے زمانے کے مسائل مختلف ہیں۔"

قدیم دیوان خانے کی موم بتیاں ہنوز جھلملا رہی تھیں۔ وہ ان کی مدھم روشنی میں راستہ بناتی آگے آئی اور چوکھٹ کا پردہ ہٹا دیا۔ دوسری جانب مہیب تاریکی تھی۔ اس نے تاریکی میں قدم رکھا اور..... اور کتاب بند کردی۔ سر اٹھایا تو بھائی کی اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ کمرہ سفید ٹیوب لائٹ سے روشن تھا۔ لاؤنج سے بولنے کی آواز آرہی تھیں۔ حنین نے بے دلی سے کتاب واپس رکھی، اٹھی ہی تھی کہ سعدی اندر آگیا۔ اسے دیکھ کر رکا، پھر نظریں چرا کر الماری کی طرف چلا گیا۔

"ناراض ہیں آپ؟" وہ بے قراری سے اس کے پیچھے آئی۔ چند لمحے وہ یونہی کھڑا رہا، پھر اس کی طرف گھوما۔

"نہیں میں نے تمہیں معاف کردیا ہے۔" گہری سانس لے کر بولا۔

"دل سے کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں۔" وہ اس کے سامنے آیا۔ نرمی سے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر بیڈ پہ بٹھایا اور قریب بیٹھا۔ وہ سر جھکائے اپنے گھٹنوں کو دیکھتی رہی۔

"تم کسی کی موت کی ذمہ دار نہیں ہو حنہ۔ اوسی پی صاحب کا بھی اتنا ہی قصور ہے جتنا تمہارا۔ ان کو تم پہ نہیں اللہ پہ بھروسا کرنا چاہیے تھا۔ امی کے پاس جاتے، تمہاری حرکت بتاتے، تو امی تمہیں دو تھپڑ لگا کر ان کا کام بھی کرواتیں اور معافی بھی مانگنے کو کہتیں۔ ان کو پیپرز بھی نہ دینے پڑتے اور کام بھی ہو جاتا۔ مگر انہوں نے بزدلی کا راستہ منتخب کیا۔ یہ ان کی بھی غلطی ہے۔ سو اب بہتر ہے کہ ہم اس واقعے کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں۔" حنین نے جھکے سر کو نفی میں ہلایا۔

"میں ایڈمیشن نہیں لے رہی۔ میں بی اے کروں گی۔"

"ٹھیک ہے، اب تم انجینئر نہیں بنو گی۔ تم یہ ڈیزرو نہیں کرتیں۔ سب کہتے تھے 'حنہ کو ہر وقت کمپیوٹر کے آگے مت بیٹھنے دیا کرو، بچی بگڑ جائے گی' مگر میں نے تمہارا انٹرنیٹ، کمپیوٹر، گیمز، کچھ نہیں روکا کبھی۔ مجھے تم پہ اعتبار تھا۔ تم نے میرا اعتبار توڑا ہے۔ حنہ ایک لفظ کی چیٹنگ بھی آپ کی ڈگری کو "ناجائز" بنا دیتی ہے۔ جو لوگ چیٹنگ کرکے میڈیکل میں ایڈمیشن لیتے ہیں، وہ ساری عمر مفت علاج بھی کرتے رہیں، تب بھی ان کی کمائی پاک ہوگی کیا؟ اللہ کے اصول بدلے نہیں جاتے۔ یو نو واٹ حنہ، میں تمہیں اس کے لیے معاف کررہا ہوں، کیونکہ تم میں اور وارث ماموں کے قاتل میں فرق ہے۔ تم نے کہا ان کو گلٹ محسوس ہوا ہوگا، تمہیں وہ بھی نہیں ہوا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں، مجھے بھی لگتا ہے ان کو گلٹ ہوا ہوگا، وہ ماموں کی قبر پہ بھی گئے ہوں گے، ان کے نام پہ چیرٹی بھی کی ہوگی، آج بھی ماموں کے قاتل اگر ماموں کی بچیوں کو دیکھ لیں تو ان کے لیے بہت دکھ محسوس کریں گے، مگر کیا دکھ ہونا کافی ہوتا ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "بڑے گناہوں کے کفارے ہوتے ہیں، خالی خولی گلٹ اور دکھ جائے بھاڑ میں۔ ذرا دیر کو زرتاشہ کا سوگ انہوں نے بھی منایا ہوگا، اور پھر؟ کیا اعتراف جرم کیا؟ کیا کفارہ ادا کیا؟ خود کو قانون کے حوالے کیا؟ نہیں! تم ان جیسی نہیں ہو۔ تم نے کفارہ ادا کیا ہے اور حنہ! کفاروں کے بعد گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اوسی پی صاحب کی جان تم نے نہیں ان کی بیٹی اور ان کی بزدلی نے لی ہے۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں، مگر مجھے بہت عرصہ لگے گا دوبارہ تم پہ اعتبار کرنے میں، اور اب تم جو

بھی پڑھنا چاہتی ہو' پڑھو' لیکن تم مجھ سے ایک وعدہ کرو گی۔ ایک پکا عہد کہ تم دوبارہ یہ کام نہیں کرو گی۔ کیونکہ حنہ اگر کبھی مجھے یہ پتا چلا کہ حنین نے دوبارہ پیپر میں چیٹنگ کی ہے' تو اس دن ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔" انگلی اٹھا کر سختی سے وہ تنبیہہ کر رہا تھا۔ "مجھے دوبارہ کبھی یہ سننے مت دینا حنہ! کہ تم نے پھر سے یہی کام کیا ہے۔"

حنین نے جھٹ سر اثبات میں ہلا دیا۔ (ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوگا' کبھی بھی نہیں۔ اسے یقین تھا۔)

"مگر حنہ! فی الحال' بی اے کرنا بھی اس مسئلے کا حل نہیں ہے مسئلہ تمہاری ایڈکشن ہے۔ کمپیوٹر اور ٹی وی ڈراموں کی ایڈکشن۔"

"ایڈکشن؟" وہ چونکی۔ بری طرح۔ ایک دم سب رک گیا۔ وہ سات صدیاں پہلے کے شیخ معلم کے نیم تاریک دیوان خانے میں بیٹھی تھی' اور دور کہیں سعدی بول رہا تھا۔

"میں بھی دو تین ڈرامے فالو کرتا ہوں۔ پچھلے دو سال سے Suits اور چار پانچ سالوں سے Grey's Anatomy دیکھ رہا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ڈرامے مت دیکھو' فلمیں مت دیکھو' میں یہ کہوں گا تو تم نہیں مانو گی۔ میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ حد میں رہ کر دیکھو۔ زیادتی کسی بھی چیز کی ہو نقصان دیتی ہے۔"

وہ اس کا چہرہ دیکھتی' چپ چاپ سوچ گئی۔

"کیا سوچا پھر تم نے؟"

"خمر شیطان کی گندگی میں سے ہے۔" وہ ہولے سے بولی تو سعدی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟" اسے بات کا موقع محل سمجھ نہیں آیا تھا۔ وہ دور کسی اور زمانے میں بیٹھی بول رہی تھی۔

"شیخ نے ٹھیک کہا تھا۔ ہر شخص کا خمر مختلف ہوتا ہے۔ پتا ہے الکحل کیوں حرام ہے؟ کیونکہ وہ نشہ کرتی ہے' اور لت ڈالتی ہے۔ ہر نشے والی چیز خمر ہوتی ہے۔ چاہے وہ مشروب نہ ہو یا اس کا رنگ سرخ نہ ہو۔ میرا خمر یہ سب تھا۔ یہ کمپیوٹر' موبائل' انٹرنیٹ' ٹی وی۔

سو اب۔۔۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں ان چیزوں کو استعمال نہیں کروں گی۔" کوئی عزم تھا جو اسی لمحے کر لیا۔ سعدی نے بے اختیار سمجھانا چاہا۔

"حنہ' کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہوتی۔ اس کا استعمال اسے اچھا یا برا۔۔۔"

"بالکل بھی مت کہیے گا یہ فضول بات' جو لوگ دہرا دہرا کر نہیں تھکتے۔" وہ غصے سے بولی۔ "ہر چیز کے بارے میں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے۔ کچھ چیزوں کا برا استعمال ان کے اندر برائی کا اثر اتنا راسخ کر دیتا ہے کہ۔۔۔ کہ ان میں آپ کے لیے اچھائی ختم ہو جاتی ہے۔ جب خمر ممنوع ہوئی تھی تو ان برتنوں کو بھی توڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا جن میں وہ پی جاتی تھی۔ آپ خمر کے برتن میں آب زمزم نہیں پی سکتے بھائی۔"

"خیر' آج کل کے برتنوں کو دھو کر استعمال کیا جا سکتا ہے' وہ اس زمانے میں کدو کے برتن تھے جو۔" وہ اسے فتوی' اور فقہ بتا رہا تھا مگر حنین نے نفی میں سر ہلایا۔

"زمانہ نہیں بدلا بھائی۔ اب بھی مسئلے وہی ہیں' جو سات سو سال پہلے کے دمشق میں ہوا کرتے تھے۔ کسی اور کے لیے یہ چیزیں بری نہیں ہوں گی' مگر میرے لیے ہیں۔ میں ان کو اب ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔" نفی میں سر ہلاتی حنین کی آنکھیں بھیگتی جا رہی تھیں۔

"لیکن حنہ' الکحل بھی اکٹھی حرام نہیں ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ منع کی گئی تھی۔ تین حصوں میں۔ ایک دم سے ان چیزوں کو زندگی سے نکالو گی تو اپنا ایک حصہ ان ہی کے ساتھ کھو دو گی۔ اڈیکٹڈ آدمی کو ایک دم سے منشیات سے نہیں ہٹایا جاتا۔ ڈوز ہلکی اور مزید ہلکی کی جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ چھوڑو۔ خود کو دبا کر جبر کرو گی تو کتنا عرصہ ضبط ہو گا؟ ایک دن اسپرنگ کی طرح واپس وہیں آ جاؤ گی۔"

"نہیں۔ اگر ابھی نہیں چھوڑا تو کبھی نہیں چھوڑ سکوں گی۔" وہ ناں میں گردن ہلائے جا رہی تھی۔ سعدی نے مزید سمجھانا چاہا' مگر حنہ نے فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ چپ ہو گیا۔ اگر وہ اپنا ضبط نفس آزمانا چاہتی تھی' تو

سعدی کو اسے روکنا نہیں چاہیے۔

اگلے روز ندرت نے جب کچن کی چوکھٹ پہ کھڑے ہو کر لاؤنج میں جھانکا تو دیکھا' وہ کمپیوٹر پیک کر کے سعدی کے کمرے میں شفٹ کر رہی تھی۔ اسمارٹ فون میں سے اس نے پہلے ہی سم نکال کر اسے توڑ پھوڑ کر پھینک دیا اور امی کی سم چھوٹے پرانے نوکیا سیٹ میں ڈال کر انہیں دے دی کہ میں اب یہ نہیں استعمال کروں گی۔ ندرت کو سعدی نے پتا نہیں کیا کہہ کر سمجھایا تھا کہ وہ پہلے تو چپ رہیں' پھر ڈانٹنے لگیں' انہیں اس کے انجینئرنگ میں ایڈمیشن نہ لینے کا بہت دکھ تھا' مگر وہ بے حس بنی سنتی گئی۔ کتنے دن ندرت نے اس کے ساتھ سر پھوڑا' پھر خود ہی تھک کر خاموش ہو گئیں۔ زندگی میں اور بھی غم تھے حنین کے سوا۔

اور اس تنہائی اور خاموشی کی نئی سرنگ میں داخل ہونے کے بعد حنین یوسف کے لیے ایک ہی روزن تھا۔ اپنا عہد! اگلے بورڈ ایگزام میں (بی اے کے فائنل ایگزام میں) وہ اپنی محنت سے پاس ہو گی جیسے سیکنڈ ایئر سے پہلے ہر سال ہوتی آئی تھی' اور جس دن ایمان داری کا رزلٹ آئے گا' اس کے دامن پہ لگا بے ایمانی کا داغ دھل جائے گا۔ بھائی اس پہ پھر سے اعتماد کرنے لگے گا۔ اب وہ کبھی بھی اس کو یہ سننے کا موقع نہیں دے گی کہ حنین نے چیٹنگ کی ہے۔ اب حنین ایسا کبھی بھی نہیں کرے گی۔ سعدی نے کہا تھا اگر اسے دوبارہ ایسا کچھ پتا چلا تو اس دن وہ دونوں الگ ہو جائیں گے۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہو گا' اسے یقین تھا۔

وہ غلط تھی۔

☼ ☼ ☼
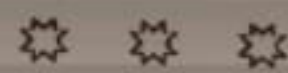
یہ عیاں جو آب حیات ہے اسے کیا کروں
کہ نہاں جو زہر کے جام تھے مجھے کھا گئے!

جیل کا ملاقاتی کمرہ مایوسی اور ڈپریشن کی فضا سے بوجھل ان دونوں کے گرد موجود تھا۔ فارس پیچھے کو ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جما کر' منہ میں کچھ چباتا' نظریں آگے پیچھے کی چیزوں پہ دوڑا رہا تھا' جبکہ سعدی دبے دبے غصے اور خفگی سے اسے گھور رہا تھا۔

"اور وہ سمجھ رہی ہیں کہ آپ نے انہیں استعمال کرنے کی کوشش کی۔"

"بریکنگ نیوز سعدی! ہر بات تمہاری پھپھو کی وجہ سے نہیں ہوتی۔" اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

"اتنی مشکل سے وہ راضی ہوئیں آپ سے ملنے کے لیے اور آپ نے سب کچھ غارت کر دیا۔" وہ دبا دبا چلایا تھا۔

"تو کیا کروں؟" فارس نے برہمی سے سعدی کو گھورا۔ "مزید ڈھائی سال یہاں گزاروں؟"

"جب میں نے کہا تھا کہ آپ کو یہاں سے نکال لوں گا تو۔۔۔؟ کیا ضروری تھا زمر کو دوبارہ خود سے بدظن کرنا؟" اس کا غصہ کم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔

"وہ ہمیشہ سے مجھے ایسا سمجھتی ہیں۔ تمہاری ذہین فطین پھپھو (طنز سے اسے دیکھا) اتنا تو پتا نہیں لگا سکیں کہ فارس غازی بے گناہ ہے!"

اس بات پہ وہ پیچھے ہو کر بیٹھا' آنکھیں سکیڑ کر چبھتی ہوئی نظروں سے فارس کو گھورا اور پھر چبا چبا کر بولا۔

"فارس غازی صاحب! میری پھپھو آپ سے کئی گنا زیادہ اسمارٹ اور سمجھ دار ہیں' آپ کی طرح وہ ہاتھوں سے نہیں سوچتیں' دماغ سے سوچتی ہیں۔ اور ہاں' اگر آپ کی جگہ وہ جیل میں ہوتیں تو ڈھائی سال کیا' ڈھائی دن میں باہر نکل آتیں۔"

"تھینک یو ویری مچ سعدی! میں بہت مرعوب ہوا ہوں۔" اس نے اتنی ہی برہمی سے سر جھٹکا۔

"آپ کو یہ بات حیران کر رہی ہے کہ اتنی اسمارٹ ہو کر بھی ان کو آپ کی بے گناہی کا یقین نہیں ہے؟"

کچھ دیر بعد وہ قدرے ہموار لہجے میں بولا۔ فارس کچھ کہے بنا اسے دیکھنے لگا۔ "ماموں! آپ ایک بات بھول رہے ہیں۔ بات ذہانت یا بے وقوفی کی نہیں ہے۔ امی کو دیکھ لیں۔ امی بالکل بھی ذہین نہیں ہیں۔ دودھ چولہے پہ رکھ کر بھول جاتی ہیں۔ ان سے پوچھو کہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر پہ حملہ کب ہوا تھا تو تاریخ یا سن یاد نہیں ہو گا'

مگر کہیں گی' تب سعدی فلاں کلاس میں تھا۔ ان کا کیلینڈر ان کے بچوں کی پیدائش' ان کے چلنے' بولنے' یا فلاں کلاس میں ہونے کے مطابق ان کے ذہن میں فٹ ہے۔ بالکل ہی بھولی ہیں امی۔ مگر جب میں نے ان سے کہا کہ ماموں کی جعلی ٹیپ سن لیں تو انہوں نے نہیں سنی' سن لیتیں تب بھی نہ مانتیں۔ اپنی تمام تر سادگی کے باوجود ان کو جتنے ثبوت آپ کے خلاف مل جائیں' وہ آپ کو گناہگار نہیں مانیں گی۔ پتا ہے کیوں؟"

"کیونکہ ان کو مجھ پہ اعتبار ہے اور۔" وہ ٹھہرا' اثبات میں سرہلایا۔ "اور میڈم زمر کو مجھ پہ اعتبار نہیں ہے!" بہت سالوں بعد اس کو وہ بات سمجھ آئی تھی۔

"بالکل۔ وہ آپ پہ اعتبار نہیں کرتیں' سو اب آسمان سے فرشتے اتر کر بھی آپ کے حق میں گواہی دیں' وہ تب بھی نہیں مانیں گی' کیونکہ ٹوٹا اعتبار جوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے' اور وہ کیوں کریں آپ پہ اعتبار؟ وہ آپ کو جانتی ہی کتنا ہیں؟ چند ماہ کے لیے آپ ان کے اسٹوڈنٹ رہے تھے' وہ کبھی بھی آپ سے بے تکلف نہیں تھیں' آپ کام کے علاوہ ان سے کبھی کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ کام پڑنے پہ آپ سے رابطہ کرلیتیں یا خاندانی تقریبات میں آپ سے سرسری سی ملاقات ہو جاتی اور بس۔ وہ آپ کو ویسے نہیں جانتی تھیں جیسے ہم جانتے ہیں۔ جیسے امی جانتی ہیں۔ جس دن وہ آپ کو جاننے لگیں گی' اسی دن اعتبار بھی کرنے لگیں گی' اس لیے پلیز' ان کو دشمن سمجھنا چھوڑ دیں۔" ایک ایک لفظ پہ زور دیتا وہ فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔ "زمر دشمن نہیں ہیں' زمر وہ واحد انسان ہیں جن کو میں اپنے ساتھ کھڑا کرنا چاہتا ہوں اس جنگ میں' مگر ابھی یہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ان کو الزام مت دیں۔ میں آپ کو باہر نکال لاؤں گا' ٹرسٹ می۔ صرف چند ماہ۔ مجھے چند ماہ کا وقت دیں۔ میں آپ کو یہاں سے نکال لوں گا۔" سینے پہ ہاتھ رکھے' آگے جھکے' وہ خفگی سے ہی سہی التجا کر رہا تھا۔ فارس نے ہلکا سا اثبات میں سرہلایا۔ مگر اسے ساتھ ہی تیکھی نظروں سے بھی دیکھا۔

"اور تم کیا کرو گے؟"

سعدی نے گہری سانس لی' پیشانی انگلی سے کھجائی۔

"جو بھی کرنا پڑا۔"

"اے... بات سنو۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ "کوئی الٹی سیدھی حرکت مت کرنا' ورنہ چار دن میں ادھر جیل میں بند ہو گے۔" بے زاری اور غصے کے پیچھے جیسے وہ فکر مند ہوا تھا۔ سعدی لب بھینچے آگے ہوا' جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میری جو مرضی آئے میں کروں گا' جو بھی کرنا پڑا کروں گا۔ زیادہ مسئلہ ہے آپ کو تو مجھے گرفتار کروا دیں۔" ڈھٹائی سے کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فارس نے بے بسی بھری برہمی سے اسے گھورا۔

"کچھ غلط کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں آپ پہ احسان کرنے جا رہا ہوں' اس امید پہ کہ شاید کبھی آپ بھی ایسا ہی احسان میرے اوپر کرنے کے قابل ہوں۔ اوہ اینڈ یو آر ویلکم!"

مسکرا کر سر کے خم سے اس کا وہ شکریہ قبول کیا جو اس نے نہ کہا تھا نہ کہنا تھا۔ اور پھر جب وہ مڑا تو اس نے سنا' فارس نے قدرے تذبذب کے بعد کہا تھا۔

"سنو... میں ایک شخص کو جانتا ہوں' جو تمہاری مدد کر سکتا ہے۔"

☼ ☼ ☼
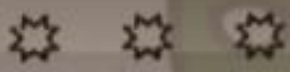
سمجھتا کیا ہے تو دیوانہ گان عشق کو زاہد!
یہ ہو جائیں گے جس جانب' اسی جانب خدا ہو گا!

سعدی قدم قدم زینے چڑھتا اوپر آیا۔ راہداری کے سرے پہ عمارت کا فلور نمبر لکھا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی چٹ سے پتہ ٹیلی کیا اور ادھر ادھر گردن گھمائی۔ آگے پیچھے فلیٹس کے بند دروازے تھے۔ وہ دائیں طرف کے دوسرے دروازے پہ آیا اور بیل بجائی۔

"کون ہے؟" اندر سے مردانہ آواز سنائی دی۔

"مجھے... مجھے احمر شفیع سے ملنا ہے۔"

دروازہ کھلا' ذرا سی درز سے اس نوجوان نے باہر

جھانکا۔ ماتھے پہ بکھرے بال، ٹراؤزر پہ شرٹ پہنے، وہ
سیاہ آنکھوں والا نوجوان تھا۔ اس نے اوپر سے نیچے
تک سعدی کا جائزہ لیا جو جینز پہ گول گلے کا سویٹر پہنے
کھڑا متذبذب سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے کوئی پیزا آرڈر نہیں کیا۔" وہ بےزاری
سے دروازہ بند کرنے لگا۔ سعدی جلدی سے بولا۔

"میں سعدی ہوں۔ فارس غازی کا بھانجا۔" (کیا
میں دیکھنے میں ڈلیوری بوائے لگتا ہوں؟)

بند کرتے کرتے وہ رکا، پھر دروازہ پورا کھول دیا۔
اب کہ نوجوان نے قدرے غور سے اسے دیکھا، پھر
سر ترچھا کر کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ سعدی قدرے
ہیجان سے اندر آیا۔

"آپ حال ہی میں جیل سے رہا ہوئے ہیں، ماموں
نے بتایا تھا۔" چھوٹے سے فلیٹ کو طائرانہ نظروں سے
دیکھتے، وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑا برائے بات بولا۔
جواب میں احمر نے شانے اچکائے۔

"ہوں۔ میرے وکیل نے سارے ثبوت مٹا دیے
اور اس گھنگھریالے بالوں والی چڑیل پراسیکیوٹر کو
نتیجتاً" چارجز ڈراپ کرنے پڑے۔" وہ اوپن کچن
میں آیا، فریج کھولا۔ دو کوک کے کین نکالے اور مڑا تو
سعدی صوفے کے ساتھ کھڑا بالکل چپ سا اسے دیکھ
رہا تھا۔

"بیٹھو۔" اس نے اسی لاپروائی سے اشارہ کیا مگر وہ
نہیں بیٹھا۔

"وہ گھنگھریالے بالوں والی پراسیکیوٹر میری سگی
پھپھو ہیں۔"

دانت سے کین کا منہ کھولتے احمر کو گویا ہچکی آئی۔
بمشکل سنبھالتے وہ چہرے پہ معذرت خواہانہ تاثر لایا۔

"آئی ایم سوری، میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ وہ بہت
اچھی ہیں، میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔ بیٹھو نا!"

ایک لمحے کو سعدی نے راہداری کو جاتے دروازے
کو دیکھا گویا وہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہو، مگر یہ تو وہ
جان گیا تھا کہ پہلے تاثر سچ نہیں ہوتے، سو سر ہلا کر
صوفے پہ بیٹھا۔ احمر نے دوسرا کین اس کی طرف
اچھالا جسے اس نے دونوں ہاتھوں میں کیچ کیا۔ (یونہی پتا
نہیں کیوں تو شیرواں یاد آیا)

چند منٹ بعد وہ دونوں صوفوں پہ آمنے سامنے بیٹھے
تھے۔ سعدی گھٹنے برابر رکھے، آگے ہو کر، اور احمر
صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے،
ایک پیر جھلاتا، اپنی سیاہ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھ رہا
تھا۔

"میں چاہتا ہوں، جج فارس غازی کے حق میں فیصلہ
دے دے۔ اس کے لیے میں کیا کروں؟ ماموں نے کہا
تھا آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔"

احمر نے کین اونچا کر کے گھونٹ بھرا، پھر اسے نیچے
کیا۔ ابرو اچکائے۔

"سمپل۔ ایک Presentation تیار کرو، اس
میں غازی کے حق میں سارے ثبوت ڈالو اور یہ دکھاؤ
کہ وہ کتنا اچھا انسان ہے، پھر اسے ایک فلیش ڈرائیو پہ
ڈالو، اور وہ ڈرائیو جج کے گھر لے جاؤ، اس سے
درخواست کرو کہ وہ یہ دیکھ لے، اس کے کمپیوٹر پہ
اسے چلاؤ۔ پھر اس کی خوب منت کرو کہ وہ اسے رہا کر
دے۔"

"کیا صرف منت کرنے سے وہ رہا کر دے گا؟"

"ابے نہیں یار!" احمر نے بدمزہ ہو کر ناک سے
مکھی اڑائی۔ "جو فلیش تم اس کے کمپیوٹر میں لگاؤ گے،
وہ اس کے سسٹم میں ایک mole داخل کرے گی۔
اس کے بعد جج صاحب اس کمپیوٹر پہ جو کچھ لکھیں گے،
یا دیکھیں گے، اس کی لمحہ بہ لمحہ خبر تمہارے کمپیوٹر پہ
آجائے گی۔ چند ہفتوں میں تمہیں اچھا خاصا مواد مل
جائے گا جج کے خلاف۔ پہلے گمنام طریقے سے اسے
بھیجنا۔ اگر وہ ڈر جائے اور جھانسے میں آجائے، تو کھلم
کھلا بلیک میل کرنا۔ چند مہینوں میں غازی باہر ہو گا۔"

سعدی کا منہ کھل گیا۔ پھر آہستہ سے اس نے
اثبات میں سر کو جنبش دی۔ (واؤ) احمر اب آخری
گھونٹ اندر انڈیل رہا تھا۔

"ایک اور کام بھی ہے۔"

"بولو۔" اس نے کین رکھ کر سنجیدہ متوقع نظروں

"بلکہ...." احمر کا' ٹھوڑی پہ دو انگلیاں رکھے کچھ سوچا۔ "مسز شہرین سے کیش لینا۔ چیک نہیں۔ اسے یہ نہیں پتا چلنا چاہیے کہ یہ کام مجھ سے کروا رہے ہو۔"

"کیوں؟"

"وہ اپنے شوہر کو بتا دے گی اور وہ سارا غصہ مجھ پہ نکالے گا' اسے ویسے ہی میں ناپسند ہوں۔"

"ارے نہیں۔ وہ دونوں علیحدہ ہو چکے ہیں' اور وہ تو خود اسے ہاشم بھائی سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں۔" اس کی بات پہ احمر نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"پتا ہے عورتوں کا مسئلہ کیا ہوتا ہے؟" قریب آکر قدرے رازداری سے پوچھا۔ سعدی نے نفی میں گردن ہلائی۔ "وہ کسی نہ کسی کے سامنے کبھی نہ کبھی بول ہی پڑتی ہیں' سو آج نہیں تو دو سال بعد وہ ہاشم کو ضرور بتائے گی۔ Always a Kardar Once a Kardar اس لیے۔" ابرو اٹھا کر تنبیہہ کی۔

"اوکے۔ سمجھ گیا۔" اور اس کا پھر سے شکریہ کہتا باہر جانے کو مڑا۔

"ویسے غازی کے کیس سے شہرین کاردار کا کیا تعلق؟" ٹھوڑی کھجاتے ہوئے اس نے قدرے پرسوچ انداز میں پوچھا۔ سعدی کے قدم تھمے۔ احمر کی جانب پشت تھی' سو تھوک نگل کر قدرے اعتماد سے پلٹا۔

"شہرین والا معاملہ ایک ذاتی فیور ہے۔ اس کا ماموں کے کیس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"آہاں۔" احمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ گویا مطمئن ہو گیا ہو۔ اس سے زیادہ اسے دلچسپی نہ تھی۔

☆ ☆ ☆
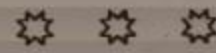
یہ حقیقت ہے جہاں ٹوٹ کے چاہا جائے
وہاں بچھڑنے کے بھی امکان ہوا کرتے ہیں

قصر کاردار پہ گہری سیاہ شام پھیل چکی تھی' جب ہاشم بیرونی دروازہ عبور کر کے لاؤنج میں داخل ہوا۔ ملازم اس کا بریف کیس لیے پیچھے تھا۔

جواہرات اپنی مخصوص اونچی کرسی پہ براجمان تھی' اور نوشیرواں اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ دونوں کوئی بات کر رہے تھے' ہاشم کو دیکھ کر خاموش ہوئے۔ خلاف معمول وہ سیدھا اوپر نہیں گیا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا' قریبی صوفے پہ آبیٹھا۔ تھکا تھکا اور کسی سوچ میں لگ رہا تھا۔

"خیریت؟" جواہرات نے محتاط نظروں سے اس کا چہرہ تکا۔

"سعدی آیا تھا آج۔" وہ سر تلے بازوؤں کا تکیہ بنائے' پیر میز پہ رکھے' سامنے دیوار کو دیکھتے سوچتے ہوئے بولا تو جواہرات اور شیرو نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیوں کیا کہہ رہا تھا؟" گردن کی موتیوں کی لڑی پہ خوامخواہ ہاتھ پھیرتے وہ سرسری سا بولی۔ آنکھوں میں بے چینی اُمڈ آئی تھی۔

جواب میں وہ ساری بات اسی سوچ میں گم انداز میں بتاتا گیا' جسے سن کر جواہرات کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے' شیرو نے بھی گہری سانس لی۔

"میں نے وکیل کے بدلاؤ کی بات پہ بازپرس کی تو وہ بھڑک اٹھا۔ اس نے کبھی مجھ سے ایسے بات نہیں کی۔ مجھے لگا وہ لڑنے کا بہانہ چاہتا تھا۔" پھر ایک دم چونک کر گردن موڑی۔ فیونا اسپرے کی بوتل اٹھائے گزر رہی تھی۔ ہاشم نے اسے پکارا تو وہ رکی۔

"سعدی کو جانتی ہو نا؟ کیا وہ آج گھر آیا تھا؟" فیونا نے جواب دینے سے قبل ایک ذرا کی ذرا نظر جواہرات پہ ڈالی' جو دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی' پھر ہاشم کو دیکھا اور مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"نو سر۔ آخری دفعہ میں نے اسے چار روز قبل ادھر دیکھا تھا۔" ہاشم نے سر ہلا کر اسے جانے کو کہا۔

"آپ کی تو کوئی بات نہیں ہوئی اس سے؟" اب وہ جواہرات کو الجھے انداز میں مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

"نہیں' کیوں؟ ہمارا کیا تعلق؟"

"نہیں' مجھے لگا وہ لڑنے کا بہانا ڈھونڈنے آیا تھا۔"

سے سعدی کو دیکھا۔ وہ قدرے متذبذب تھا۔

"ایک معزز خاندان کی لڑکی کی ایک گالف کلب کے ریکارڈ میں کچھ فوٹیجز ہیں جو......"

"کیسی فوٹیجز؟ جوا؟ ڈرگز؟ یا کچھ اور؟" وہ جو رک رک کر بتا رہا تھا' احمر نے اتنی ہی سادگی سے پوچھا۔

سعدی نے گہری سانس لی۔ فجر پہ اٹھ کر قرآن پڑھنے والوں کو غلط باتیں کرنا زیادہ ہی غلط لگا کرتا ہے۔

"وہ کارڈز کھیل رہی تھیں۔ آف کورس' جوا۔" اس نے شانے اچکائے۔

"مطلب فوٹیجز غائب کرنی ہیں؟ ہو جائیں گی۔ کلب کا نام کیا ہے؟ ویسے مجھے اندازہ ہے یہ کدھر ہوا ہو گا' بہرحال' نام تاریخ' لڑکی کی تصویر' سب دے دو۔ میں کرلوں گا۔"

"مگر آپ اس کے شوہر کو نہیں بتائیں گے۔" احمر نے اچنبھے سے ابرو سکیڑے۔

"کیا میں اس کے شوہر کو جانتا ہوں؟"

"مسز شہرین کاردار۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

احمر چونک کر سیدھا ہوا۔ ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی' حیرت سے اسے دیکھا۔ "ہاشم کاردار کی بیوی' اوہ ہو۔ یہ تو کافی شرمناک ہو گا کاردار صاحب کے لیے۔ بیوی کی گیمبلنگ فوٹیج؟ چچ چچ۔ یہ تو اسکینڈل بن سکتا ہے۔" اس نے ماتھے کو چھوا۔ "ہاشم کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ غازی کا کزن ہے' مجھے پسند نہیں ہے' مگر وہ ایک عزت دار آدمی ہے۔ اوہ تم اس سے ناراض تو نہیں غازی کی طرح؟"

سعدی کے چہرے پہ اس نام پہ آئی ناپسندیدگی دیکھ کر اس نے وضاحت دی۔ "اس نے تو اپنی پوری کوشش کی تھی غازی کو نکلوانے کے لیے' مگر اس کے والد نے اسے روک دیا اور انہوں نے بھی اپنے ایڈوائزر؟ کیا ان کو کسی نے فارس کی مدد نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا؟" پوچھتے ہوئے اس کے ابرو غصے سے تن گئے۔ احمر نے بے اختیار اس کو دیکھا' پھر سینٹر ٹیبل پہ رکھے کانچ کے گلدان پہ نظر ڈالی جو اگر ٹوٹتا تو بہت زور کا لگتا۔ آوچ!

"آ... ہاں شاید کسی نے مشورہ دیا تھا۔ پتا نہیں کون تھا' میں تو اڑتی اڑتی سی ہے!" گڑبڑا کر کہتے اس نے تھوک نگلا۔ سعدی سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر اصل کام یاد آیا۔

"تو کیا آپ شہرین کی فوٹیج غائب کر سکتے ہیں؟" وہ بے چینی سے آگے ہوا۔

"ہاں' لیکن وقت لگے گا' کسی اور سے نہیں کروا سکتا۔ خود کرنا پڑے گا۔"

"آپ کا اس سب پہ وقت کے ساتھ پیسہ بھی لگے گا تو......" کہتے ہوئے سعدی نے جینز کی جیب پہ ہاتھ رکھا گویا بٹوہ نکالنے لگا ہو۔ مگر احمر نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"نہیں' میں غازی کے بھانجے سے پیسے نہیں لوں گا۔"

"نہیں پلیز' میں آپ کو ہائر کر رہا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ آپ کو لوگ ایسے کاموں کے لیے ہائر کیا کرتے ہیں' تو ظاہر ہے مجھے اچھا نہیں لگے گا اگر میں......"

"سنو بچے۔" سنجیدگی سے کہتے اس نے ہاتھ اٹھا کر سعدی کو مزید بولنے سے روکا۔ "پہلی بات۔ میں تم سے پیسے نہیں لوں گا' اور دوسری بات' جس جیب پہ تم نے ہاتھ رکھا ہے' تمہارا بٹوہ اس میں نہیں' بلکہ دوسری جیب میں ہے۔ شرمندہ مت ہونا' مجھے پتا ہے تم اپنی خودداری کی وجہ سے کہہ رہے ہو' اس لیے سنو' میں بھی اپنی خودداری کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ میں غازی کے بھانجے سے پیسے نہیں لوں گا۔"

سعدی نے تکان سے ٹھنڈی سانس بھری' اب شرمندہ کیا ہونا؟ اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "تھینک یو' فری سروسز کرنے کے لیے۔" اور ہلکا سا مسکرایا۔

"ایک منٹ بھائی ایک منٹ!" احمر اٹھ کر آیا اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا "اب یہ نہیں کہا کہ فری کام کروں گا۔ تمہارا کام ہو جائے گا' مگر شہرین بی بی سے کہنا' میرا چیک تیار رکھیں۔"

"اوہ۔ شیور!" وہ سنبھل کر مسکرا دیا۔

کسی اور بات پہ خفا تھا اور غصہ کسی اور طرح نکالا۔" پھر ہولے سے سر جھٹکا۔ "شاید میں زیادہ ہی سوچ رہا ہوں۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ اتنے سال جس لڑکے کے ساتھ میں اتنی شفقت سے پیش آتا رہا' وہ اس طرح بات کیسے کر سکتا ہے، مجھ سے؟" اسے کافی دکھ ہوا تھا۔ شیرو نے بمشکل ناگواری چھپائی۔

"وہ تو اسی طرح کا ہے۔ بد تمیز اور احسان فراموش۔ آپ کو ہی اس کی اصلیت دیر سے پتا چلی۔ مگر آپ اب بھی اس کے ساتھ وہی چھوٹے بھائی والا رویہ رکھیں گے مجھے پتا ہے۔"

"اب نہیں۔" ہاشم کے چہرے پہ تلخی گھل گئی۔ آنکھوں میں بے پناہ سختی اتر آئی۔ اس کے دل میں سعدی کے لیے گرہ پڑ گئی' سو پڑ گئی۔ "جس طرح وہ آج بد تمیزی سے بولا میں دوبارہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔" پیر نیچے اتارے اور جھک کر بوٹ کا تسمہ کھولنے لگا۔

"یہی بہتر ہے۔" جواہرات نرمی سے مسکرائی اور شیرو کو دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ بھی مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

ہاشم تسمہ کھول کر سیدھا ہوا اور جیب سے ایک کی چین نکال کر شیرو کی جانب اچھالی' جو اس نے بروقت کیچ کی۔ پھر اسے الٹ پلٹ کر چابیاں دیکھیں۔

"یہ کیا ہے؟"

"تمہاری نئی کار۔" بیٹھے بیٹھے چہرہ اٹھا کر وہ تکان سے مسکرایا۔ نوشیرواں نے بے یقینی سے اسے دیکھا' اور پھر چابیوں کو۔

"نہیں' یہ وہ اسپورٹس کار نہیں ہے' جو تم چاہتے تھے۔ اس کی جگہ ایک ایگزیکٹو لگژری کار دے کر میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں نوشیرواں! کہ تمہاری کمپنی جو ڈیڈ نے تم سے لی تھی' میں نے تمہیں واپس کر دی ہے' تمہیں ہر وہ چیز نہیں ملے گی جو تم چاہتے ہو' بلکہ وہ دی جائے گی جو تمہارے لیے بہتر ہو۔" اور پھر نرمی سے مسکرایا۔

"تھینک یو سو مچ بھائی۔" وہ حیران' خوش' تمیزی سے باہر بھاگا۔ ہاشم اب اٹھ کر اوپر جا رہا تھا۔ جواہرات مسکراتے ہوئے' سکون اور اطمینان سے دونوں بیٹوں کو جاتے دیکھتی رہی۔ جب وہ لاؤنج میں اکیلی رہ گئی تو میز پہ رکھے شیرو کے فون کی بپ بجی۔ اس نے بنا توقف کے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ شہرین کا میسج تھا۔

کوئی عام سی بات کہی تھی اس نے' مگر جواہرات کے ابرو تن گئے۔ پرسوچ انداز میں بیرونی دروازے کو دیکھا' جہاں سے شیرو گیا تھا اور پھر... انگلیوں کو حرکت دی' پیغام مٹایا۔ فون واپس رکھا' اور اسی شان سے اس کرسی پہ بیٹھی رہی جو کسی ملکہ کا خاصا ہوتی ہے۔ تنی گردن' بے نیاز مسکراہٹ اور ایک عظیم الشان سلطنت کے خیال سے چمکتی آنکھیں۔

وہ آزاد تھی۔ اورنگ زیب کی غلامی کی زنجیروں سے یکسر آزاد۔ سوا گلا ڈیڑھ برس بہت اچھا گزرا۔ ہاشم نے کاروبار' گھر' سب سنبھال رکھا تھا۔ سونی شہرین کے پاس ہوتی' کبھی آجاتی تو اچھا لگتا۔ شہرین آتی تو اچھا نہ لگتا' مگر وہ اس کو فی الوقت تحمل سے برداشت کیے ہوئے تھی۔ شیرو کا شیری کی جانب بڑھتا رجحان بھی اس کی نظر میں تھا' مگر ابھی اسے برداشت کرتا تھا۔

سعدی اور اس کے خاندان کا داخلہ یہاں اب بند تھا۔ سونی کی اگلی پارٹی پہ (جو اورنگزیب کی وفات کی پانچ ماہ بعد ہوئی) اس نے سعدی کو دعوت نامہ بھجوایا' مگر وہ نہیں آیا۔ ہاشم بھی اب اس کا ذکر نہیں کرتا تھا' سوائے ایک دو دفعہ کے' جب اس نے بتایا سعدی اسے اپنے آس پاس نظر آیا ہے' کبھی کسی ہوٹل تو کبھی کسی اور پبلک پلیس پہ' جیسے وہ کسی چیز کے پیچھے ہے' تو جواہرات نے نظر انداز کیا۔ مگر ہاشم زیادہ عرصہ اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ یہ عرصہ بھی اس لیے توجہ نہیں کر سکا کہ باپ کے مرنے کے بعد ٹیک اوور کرنا' ہر شے سنبھالنا' ان سب بکھیڑوں نے اسے مصروف کر دیا تھا۔ ایسے میں کس کے پاس اتنا وقت تھا' کہ جیل میں جہنم واصل ہوئے کزن یا اس کے بھانجے کی فکر کرے؟ اسے جس دن سعدی کو "چیک" کرنے کا خیال آیا' فارس اسی دن رہا ہو کر ان کی زندگیوں میں

واپس پہنچ گیا' اور جیسے پُرسکون ندی میں زوردار پتھر آن گرا تھا۔

آج ڈیڑھ سال بعد کی اس خاموش سہ پہر' جب جواہرات زمر کے گھر سے فارس کے ہمراہ لوٹی تھی' اور اپنے خالی گھر میں اسی اونچی کرسی پہ بیٹھی تھی' تو اپنے کان کے بندوں پہ انگلی پھیرتے' نم آنکھوں سے اسے وہ سب یاد آ رہا تھا' جو یاد نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اور ہاں' ایک بات وہ اب بھی جانتی تھی۔ ہاشم اعتراف کرے یا نہیں' وہ آج بھی سعدی سے محبت کرتا تھا۔ وہ آج بھی اسے مس کرتا تھا۔

تو پھر... بالآخر... ہم بھی ڈیڑھ برس قبل کے سرما کے سرد ماضی کی کہانی کو وہیں دفن کر کے مکمل طور پہ "حال" کے موسم گرما کی جانب بڑھتے ہیں' جہاں فارس غازی کی رہائی کے بعد سب کی زندگی بدل رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼
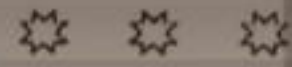
رک گیا میں سزا سے کچھ پہلے
اس کو احساس خود خطا کا تھا

یوسف صاحب کے روشن گھر پہ مئی کی گرم شام اُتری تھی اور وہ ڈرائنگ روم میں عین اسی جگہ وہیل چیئر پہ بیٹھے تھے جہاں دوپہر میں تب براجمان تھے' جب فارس اور جواہرات ادھر تھے۔ البتہ اب حاضرین بدل چکے تھے۔ ندرت سامنے صوفے پہ بیٹھیں' دھیمی آواز سے بڑے ابا کو تسلی دے رہی تھیں اور سعدی' وہ جو آفس سے فارس کا فون سن کر گویا بھاگتے ہوئے امی کو لیے ادھر آیا تھا' کھڑکی کے ساتھ کھڑا' نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ پھر ان کی جانب مڑا تو چہرے پہ خفگی تھی۔

"آپ کس طرح اپنے منہ سے یہ بات فارس ماموں سے کہہ سکتے ہیں؟ کم از کم امی یا مجھ سے تو بات کرتے۔ وہ کیا سوچتے ہوں گے؟"

"زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے' سعدی۔" ندرت خفا ہوئیں۔ "آج کل لڑکی والوں کا کہنا معیوب نہیں سمجھا جاتا' اور اس میں غلط بھی کیا ہے؟ اگر زمر کو اعتراض نہیں تو تم کیوں حواس باختہ ہو رہے ہو؟"

"یہ جس جگہ آپ بیٹھی ہیں' ادھر' بالکل ادھر پچھلے ہفتے فارس ماموں بیٹھے تھے' جب زمر آئیں اور ان کو کھڑے کھڑے یہاں سے نکال دیا۔" باقاعدہ انگلی سے اس صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ندرت نے بے اختیار پہلو بدلا۔ "مان ہی نہیں سکتا میں کہ زمر مان گئی ہیں۔"

بہت ہی شدت سے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ بڑے ابا نے گردن اٹھائی۔ بے بسی سے اسے دیکھا۔

"وہ مانی نہیں ہے' بس اس نے کہا کہ جو میری مرضی ہو میں کر دوں۔"

"یعنی کہ آپ لوگ ان پہ دباؤ ڈال رہے ہیں۔ ایسا مت کریں بڑے ابا۔" وہ ناراض ہوا۔

"اور اسی جگہ کھڑے ہو کر تم نے پچھلے ہفتے سعدی مجھے کہا تھا کہ میں زمر کی شادی کر دوں' فارس سے۔"

وہ لمحے بھر کو چپ ہو گیا۔

"مگر ایسے نہیں کہ وہ زبردستی یہ فیصلہ کریں۔"

"تو پھر جاؤ بیٹے' زمر سے بات کرو' اس سے پوچھو کہ بغیر جبر کے بتائے' وہ کیا چاہتی ہے۔ میں وہی کروں گا جو وہ چاہتی ہے۔"

سعدی کھڑا لب کاٹتا رہا۔ وہ الجھا ہوا تھا' خفا بھی تھا۔ کیا چیز غلط تھی' وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ مگر کچھ صحیح نہیں تھا۔

"مجھے اس سب میں مسز کاردار کی مداخلت نہیں پسند آئی بڑے ابا۔ وہ کیوں اتنی بے چین ہیں زمر کی شادی کے لیے؟"

"ان کو کہا تھا میں نے کہ زمر کو شادی کے لیے قائل کریں' وہ میرے کہنے پہ مداخلت کر رہی ہیں۔"

ان کی وضاحت پہ سعدی نے الجھے الجھے انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"مجھے نہیں پتا' مگر مجھے یہ اس طرح ٹھیک نہیں لگ رہا۔" اور اسی متفکر چہرے سے باہر نکل آیا۔

لان میں شام اندھیری ہو چکی تھی۔ وہ برآمدے کی سیڑھی پہ بیٹھا کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر جیب سے موبائل نکالا اور جواہرات کا نمبر ملایا۔ فون کان سے لگائے سنجیدہ آنکھوں اور تنے تاثرات کے ساتھ دوسری

جانب جاتی گھنٹی سنتا رہا۔

"سعدی! اتنے عرصے بعد فون پہ تمہاری آواز سنی۔ کبھی کبھی ہمارے لیے وقت نکال لیا کرو۔" وہ نرم خوشگوار انداز میں بولی تھی۔

"آپ یہ گلہ ایسے کرتی ہیں جیسے خود بھی واقف نہ ہوں کہ اب میرے لیے وقت کس کے پاس نہیں ہوتا۔" چاہ کر بھی وہ بے زار۔ نہیں ظاہر کرسکا خود کو۔ ہاشم کی ماں کو ہاشم کے کارناموں سے وہ ہمیشہ الگ رکھتا تھا۔ ہر چیز کے باوجود!

"اس رات شادی میں بھی تم نے مجھ سے خاص بات نہیں کی۔ سونی کی پارٹی پہ اس نیکلس والے واقعے کا۔۔۔"

"مسز کاردار' آج آپ نے کیا کیا ہے؟" اس نے اکھڑے خشک انداز میں بات کاٹی وہ تو ترنت بولی۔ "اور کیا کیا ہے میں نے؟"

"مجھے نہیں معلوم' آپ کیوں زمر اور فارس کی شادی کروانا چاہتی ہیں۔ مگر وجہ جو بھی ہو' میں نے بڑے ابا کو کہہ دیا ہے کہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے سختی سے کہتے گویا بات ختم کی۔

"تیسری دفعہ' سعدی؟" وہ محفوظ' مزہ لینے والے انداز میں گویا ہوئی تو وہ الجھا۔

"سوری!"

"پہلی دفعہ بچپن میں زمر کے جہیز کو آگ لگانا' اور دوسری دفعہ چار سال پہلے زمر کو ایک خطرناک کیس میں دھکیلنا۔ دوبار تم نے اس کی شادی نہیں ہونے دی۔ اب تیسری دفعہ رخنہ ڈالو گے؟"

"ایکسکیوز می؟" بے یقینی سے اس نے فون کو کان سے ہٹا کر دیکھا۔

"مشکل بات نہیں کی میں نے۔ تم نے خود بتایا تھا' بچپن میں وہ تمہیں اپنی شادی کی چیزیں دکھا رہی تھی' اور پھر وہ چلی گئی اور تم وہیں کھیلتے رہے' پھر کھیل کھیل میں آگ لگ گئی اور اس کا جہیز جل گیا۔"

"میں اس وقت دس سال کا تھا' مسز کاردار!" کچھ دیر پہلے کے تنے تاثرات غائب تھے اور وہ پھیکے پڑتے چہرے کے ساتھ بمشکل بول رہا تھا۔

"اور تم اچھی طرح جانتے تھے کہ تم کیا کر رہے ہو۔" وہ شاید مسکرائی تھی۔ "تم سے کھیل میں آگ نہیں لگی تھی۔ تم نے جان بوجھ کر آگ لگائی تھی۔" اس نے محظوظ سی سرگوشی کی اور وہ دم سادھے' سانس روکے بیٹھا رہ گیا۔

"میں اس وقت دس سال کا تھا' مسز کاردار!" مگر وہ کہے جا رہی تھی۔

"وہ تمہاری بیسٹ فرینڈ تھی' اور وہ شادی کے بعد کراچی چلی جاتی۔ تم جیلس ہو گئے تھے' اور ان سیکیور بھی۔ مجھے جب تم نے بتایا تھا' تب میں نے تمہاری آنکھیں پڑھی تھیں' بچے۔ وہ آگ تم نے خود لگائی تھی۔"

"میں اس وقت دس سال کا تھا' مسز کاردار۔" بدقت کہہ کر اس نے نچلے لب میں دانت پیوست کیے۔ جیسے ڈھیروں ضبط کیا۔ آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔

"مگر اب تم دس سال کے نہیں ہو۔ اب بڑے ہو جاؤ اور اپنی پھپھو کو اس کی زندگی گزارنے دو۔ اس کے رشتے میں مداخلت مت کرو۔ کیونکہ جب تم مداخلت کرتے ہو تو وہ صرف نقصان اٹھاتی ہے۔"

"آپ۔۔۔ آپ یہ اس لیے کہہ رہی ہیں ناکہ۔۔۔ ناکہ میں اس معاملے سے خود کو الگ کرلوں اور آپ کا جو بھی مقصد ہے وہ پورا ہو جائے۔" اس نے کمزور لہجے کو مضبوط کرنے کی ناکام جہد کی۔

"ہاں' میں اسی لیے کہہ رہی ہوں' مگر یہی سچ ہے۔ کیا نہیں ہے؟" اور لمحے بھر کی خاموشی کے بعد فون بند ہو گیا۔

سعدی کتنی دیر چپ چاپ اس سیڑھی پہ بیٹھا رہا۔ آنکھیں قدموں میں اگی گھاس پہ جمائے' وہ مسلسل لب کاٹ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا جواہرات اسے ڈسٹرب کرنا چاہتی تھی' مگر اس بات کا علم ہونا ڈسٹرب ہونے سے روک نہیں سکتا۔

میں دلائل پہ تکیہ کر بیٹھا

آہ ! وہ وقت التجا کا تھا

کافی دیر بعد جب وہ اٹھ کر اندر آیا تو ندرت اور بڑے ابا مسلسل اسی بات پہ غور و خوض کر رہے تھے۔ اس چہرے کے ساتھ نہیں آیا جس کے ساتھ گیا تھا۔ سو ان کو وہیں چھوڑے' راہداری میں آگے چلا گیا۔ لاؤنج میں ٹی وی چل رہا تھا اور ملازم لڑکا صداقت اسٹول بیٹھا' پیاز چھیلتے اسکرین پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اسے دیکھ کر شرمندہ سا اٹھنے لگا مگر سعدی مزید آگے بڑھ گیا۔ زمر کے دروازے پہ دستک دی۔ پھر اسے دھکیلا۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ فائل پہ جھکا لیمپ جل رہا تھا' اور وہ گردن ترچھی کیے قلم سے کچھ لکھ رہی تھی۔ آہٹ پہ چہرہ اٹھایا۔ اسے دیکھ کر بھوری آنکھوں میں نرمی آئی اور مسکرائی۔

"آؤ سعدی!" سامنے کاؤچ کی جانب اشارہ کیا۔ وہ اسی طرح چپ چاپ وہاں آبیٹھا۔

"اور کیا ہو رہا ہے؟" فائل بند کرتے ہوئے اس نے اسی نرمی سے پوچھا۔ سعدی نے بدقت مسکرانے کی سعی کی۔

"بس جاب چل رہی ہے۔ آپ۔" وہ رکا۔ سر ابھی تک جھکا تھا۔

"ابا نے بھیجا ہے' مجھ سے بات کرنے کے لیے؟"

"جی' مگر... میں آپ سے وہ بات نہیں کرنا چاہتا۔" وہ جو دلائل پہ تکیہ کیے مزید چند فقرے بولنے جارہی تھی' اپنے انتہائی سپاٹ انداز میں بے تاثر سے فقرے' سعدی کی بات نے اسے روک دیا۔ وہ چونک کر نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

"تو پھر...؟"

"بڑے ابا نے کہا ہے کہ آپ اس شادی پہ راضی ہیں۔ میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں زمر! کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں' میں اس میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔" سر جھکائے' انگلیاں مروڑتے بجھا بجھا سا کہہ رہا تھا۔ "آپ بغیر کسی مجبوری یا دباؤ کے فیصلہ کریں' اپنی زندگی کا فیصلہ۔ میں آپ کو سپورٹ کروں گا۔"

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سب کے پیچھے کوئی وجہ ہو گی۔ آپ ان سے نفرت کرتی ہیں' اور پھر بھی آپ ان سے شادی کرنے جا رہی ہیں۔"

زمر کے بظاہر پرسکون چہرے پہ سایہ سا لہرایا' مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ سر جھکائے وہ کہے جا رہا تھا۔

"آپ کا دل بھی ان کی طرف سے صاف نہیں ہوا' لیکن اس سب کے باوجود بھی آپ ان سے شادی کرنے جا رہی ہیں' تو میں آپ سے صرف ایک چیز چاہتا ہوں۔" اس نے جھکی نظریں اٹھا کر زمر کو دیکھا جو دم سادھے اسے سن رہی تھی۔

"کیا آپ مجھ سے وعدہ کرتی ہیں کہ آپ فارس ماموں کو کبھی ہرٹ نہیں کریں گی؟"

زمر نے تھوک نگلا' یوں کہ اس کی آنکھیں گھنگھریالے بالوں والے خوبصورت لڑکے پہ جمی تھیں' اور لب خاموش تھے۔

"کیا آپ مجھ سے وعدہ کریں گی کہ آپ کبھی بھی' ان کو دانستہ طور پہ نقصان نہیں پہنچائیں گی؟" وہ بڑے اور بھیانک خوف کے زیر اثر کہہ رہا تھا۔ زمر نے خوامخواہ چہرہ پھیر کر میز کو دیکھا' پھر لیمپ کو' پھر فائلز کو' اور پھر دوبارہ سعدی کو۔ اتنا بڑا وعدہ جو انتقام کے ہر ارادے کو مار ڈالے؟

"میں... میں اسے نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ آئی پرامس!" چند لمحے بعد وہ سعدی کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی اور دوبارہ تھوک نگلا۔ سعدی نے گہری سانس لے کر بھنوؤں پہ ہاتھ رکھے' سر جھکا دیا۔ گویا تنے اعصاب ڈھیلے کیے۔ زمر ہنوز پلک جھپکے بنا اسے دیکھ رہی تھی۔

پھر اس نے سر اٹھایا۔ مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ جو بھی چاہیں گی' میں وہی کروں گا اور کرواؤں گا۔" زمر پھیکا سا مسکرائی۔ (اور جب وعدہ ٹوٹے گا تو وہ اس کے بارے میں کیا سوچے گا؟)

"ابا چاہتے ہیں' میں اس سے شادی کرلوں' میں

کرلوں گی سعدی۔"

"میں نے کہا نا میں آپ کے ساتھ ہوں۔" وہ دروازے تک گیا، پھر رکا۔ مسکراہٹ مدھم ہو کر حزن میں بدلی۔ سر جھکائے، بنا مڑے، دھیرے سے بولا۔

"اور مجھے معاف کر دیجیے گا، میری ہر اس چیز کے لیے جس نے آپ کو نقصان پہنچایا، آئی ایم سوری زمر میں جان بوجھ کر نہیں کرتا، پھر بھی میری وجہ سے کچھ نہ کچھ غلط ہو جاتا ہے!" اور پھر رکے بنا باہر نکل گیا۔

زمر نے کنپٹی کو انگلی سے مسلا۔ اسے لگا، انگلیوں میں لرزش ہے۔ کرسی گھما کر رخ دائیں طرف کیا تو سنگھار میز پہ لگا آئینہ سامنے آیا، اور اس کا عکس بھی۔ کرسی پہ بیٹھی، گھنگھریالے خوب صورت بالوں والی لڑکی جس کے ناک کی لونگ دمک رہی تھی۔ مگر آنکھیں پریشان تھیں۔

تب ہی اس کا فون بجا۔ وہ چونکی۔ غیر شناسا سا نمبر آرہا تھا۔ تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکتے، اس نے موبائل کان سے لگایا۔

"ہیلو۔"

"پراسیکیوٹر صاحبہ، مجھے تو پہچانتی ہوں گی آپ۔" اور وہ فارس کی آواز کیسے نہیں پہچان سکتی تھی؟ فکرمند تاثرات بدلے۔ آنکھیں سنجیدہ اور سپاٹ ہو گئیں۔

"جی فارس۔ کہیے۔"

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ جانتی ہیں کیوں ملنا چاہتا ہوں۔ وقت آپ بتائیں، جگہ میں بتاؤں گا۔"

اس نے آنکھیں میچ کر بہت سی کڑواہٹ اندر اتاری اور پھر ہموار لہجے میں بولی۔ "اوکے! کل شام چار بجے مل سکتی ہوں میں۔ مگر کدھر؟"

"اسی ریسٹورنٹ میں جہاں آپ کو بلا کر گولی ماری تھی میں نے۔ کیوں؟ ٹھیک ہے نا؟"

زمر کی آنکھوں کی سرد مہری مزید بڑھی۔ "شیور۔" اور موبائل کا بٹن زور سے دبا کر کال کاٹی۔ اذیت سی اذیت تھی۔

✡ ✡ ✡

عکس چننے میں عمر گزری ہے
ایسا ٹوٹا ہے آئینہ مجھ سے

چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج میں ٹی وی کا شور جاری و ساری تھا، اور حنین نفی میں سر ہلاتی ادھر ادھر چکر لگاتی پھر رہی تھی۔ دفعتاً" وہ رکی، اور تندہی سے صوفے پہ بیٹھے سعدی کو گھورا۔

"وہ جھوٹ بول رہی ہیں۔"

"کیا تم چند لمحوں کے لیے زمر اور اپنے تمام اختلافات بھلا کر ان کے لیے غیر جانب داری سے نہیں سوچ سکتیں؟" وہ تھک سا گیا تھا۔ حنین نفی میں سر ہلاتی سامنے بیٹھی۔ ہاتھ سے ماتھے پہ کٹے بال ہٹائے جو پھر دوبارہ وہیں گر گئے۔

"وہ اصل بات چھپا رہی ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ بغیر کسی منفی وجہ کے ماموں سے شادی پہ راضی ہو جائیں۔" وہ ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"میرا خیال ہے وہ بڑے ابا کے کہنے پہ ایسا کر رہی ہیں، اور دل میں ابھی ابھی ماموں کے لیے تعغض ہو گا۔ شاید وہ سچ کی تلاش میں ہیں، ہمیں ان کا ساتھ دینا چاہیے، نا کہ ان پہ شک کرنا چاہیے۔"

"او خدا۔ آپ لوگوں کو کیوں نہیں نظر آرہا؟" وہ متعجب، حیران پریشان تھی۔ "وہ زمر یوسف ہیں، ان کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ فارس ماموں کو نقصان پہنچانا چاہتی ہیں، اس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"انہوں نے مجھے زبان دی ہے کہ وہ فارس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔" وہ ایک ایک حرف بہت سنجیدگی سے بولا تھا۔ حنین چپ ہو گئی۔ سینے پہ بازو لپیٹ لیے اور الجھی الجھی سی انگلی کا ناخن دانت سے کترنے لگی۔

"مگر....." چند ثانیے بعد انگلی دانتوں سے نکال کر وہ حتمی انداز میں بولی۔ "مگر میں ان پہ یقین نہیں کر سکتی۔"

"بس کر دو حنین۔" ندرت کچن سے اکتا کر نکلیں۔ ہاتھ میں کفگیر تھا گویا حنین کو دے مارنے کا ارادہ ہو۔ ان دونوں کے سامنے کھڑے، کمر پہ ہاتھ رکھے، وہ جب

بولیں تو بے زار لگ رہی تھیں۔
"کوئی عقل ہے تم میں؟ وہ فارس کو برا بھلا کہتی تھی تب بھی ہم سب کو شکایت تھی' اب نہیں کہہ رہی' تب بھی تم اس کے پیچھے پڑی ہو۔ جب ایک دفعہ اس نے اپنے الزامات واپس لے لیے تو اسے معاف کرو اب۔"
"مگر وہ کیسے ہنسی خوشی ماموں سے شادی کر سکتی ہیں؟" حنین اب کے ذرا دھیمے لہجے میں بولی۔ لاشعوری طور پہ کشن پہ ہاتھ رکھ لیا۔ ادھر امی نے کفگیر گھمایا' ادھر اس نے کشن کو ڈھال بنایا۔
"کیونکہ اس میں تم سے زیادہ عقل ہے۔" وہ بھی گویا تھک گئی تھیں۔ "وہ بیمار ہے بیٹا' اس کے گردے خراب ہیں' اور بڑے ابا پہلے سے زیادہ بیمار رہنے لگ گئے ہیں۔ (حنہ نے آہستہ سے کشن چھوڑ دیا۔) اس کو فارس سے بہتر رشتہ نہیں ملے گا' وہ سمجھ چکی ہے۔ اس لیے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے گزشتہ رویے کا ازالہ کرنے جا رہی ہے۔ تو تم دونوں کیوں مین میخ نکال رہے ہو؟"
"نہیں' مجھے تو اب کوئی اعتراض نہیں۔" سعدی نے فوراً" ہاتھ اٹھا دیے اور احتیاط سے کفگیر کو دیکھا جو ہنوز امی کے کمر پہ رکھے ہاتھ میں تھا۔ حنہ چپ چاپ لب کاٹتی رہی۔ چہرے کی خفگی اب تاسف اور ندامت میں بدل گئی تھی۔
"اچھا ٹھیک ہے۔" بس اتنا سا کہا اور اٹھ کر اندر چلی گئی۔ ندرت افسوس سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔
"اسے کیا ہو گیا ہے سعدی؟ یہ پہلے ایسی نہیں تھی۔"
سعدی نے گہری سانس لیتے ریموٹ اٹھالیا۔
"امی... ہم میں سے کوئی بھی پہلے ایسا نہیں تھا۔"
ندرت کچھ منہ میں بڑبڑاتی پلٹ گئیں۔ سعدی وہیں بیٹھا رہا۔ پھر ٹی وی چھوڑ کر اپنے کمرے میں آیا۔ سیم اس کے لیپ ٹاپ پہ بیٹھا کوئی گیم کھیل رہا تھا۔
"آپ کو کمپیوٹر چاہیے بھائی؟" اسے آتے دیکھ کر تابعداری سے پوچھا۔

"اونہوں۔ تم بیٹھو۔" اس نے جھک کر اسٹڈی ٹیبل کے نچلے دراز سے ایک چھوٹا سا باکس نکالا۔ اور الماری تک آیا۔ پٹ کھول کر احتیاط سے باکس کا ڈھکن الماری کے اندر کر کے ہٹایا۔ (سیم دور تھا۔ اس طرف اس کا رخ نہیں تھا۔) باکس کے اندر ایک پلیٹنیم اور ہیروں کا جھلملاتا نیکلس رکھا تھا۔ (جواہرات کا نیکلس جو اسے واپس کرنا تھا۔) اور ساتھ میں سفید رنگ کی فلیش ڈرائیو۔ اس نے ڈرائیو نکالی' ڈبہ الماری کے اندر چھپا کر رکھا اور باہر نکل آیا۔
حنین اپنے بیڈ پہ بیٹھی ایک رسالے کے ورق پلٹ رہی تھی جب سعدی چوکھٹ میں آیا۔
"یہ وہ فائلز ہیں جو مجھ سے نہیں کھلیں۔ کیا تم انہیں کھول دو گی؟"
وہ چونکی۔ سر گھما کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں تعجب در آیا۔
"میں... آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں' میں ان چیزوں کو استعمال نہیں کرتی اب۔"
"کچھ دن اسے اپنے پاس رکھو۔ اگر موڈ بنے تو کر دینا۔ نہیں تو واپس دے دینا' مگر اسے رکھو' اور سوچو کہ تم میری مدد کرنا چاہتی ہو یا نہیں۔"
وہ فلیش اس کی سمت بڑھائے ہوئے تھا۔ حنین کی آنکھوں میں خفگی تھی' مگر اس نے چپ چاپ وہ پکڑ لی۔ سعدی چلا گیا تو وہ اٹھی' الماری تک آئی' اس کے نچلے۔ جوتوں والے خانے کے برابر بیٹھی۔ ایک بڑا باکس نکالا۔ اس میں وہ لیپ ٹاپ' ٹیبلٹ اور دوسرے ایسے کئی gadgets رکھے تھے جو اورنگزیب کاردار نے اسے دیے تھے۔ علیشا کا لاکٹ بھی ادھر ہی تھا۔ حنہ نے وہ فلیش بھی ان ممنوعہ اشیاء کے ساتھ رکھ دی اور ڈبہ بند کر کے اندر دھکیل دیا۔
پھر گہری سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سوچنا کیا تھا؟ جو طے کر لیا تو بس کر لیا۔

☆ ☆ ☆
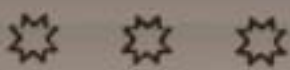
اپنے قاتل کی ذہانت پہ حیران ہوں میں

ہر روز ایک نیا طرزِ قتل ایجاد کرے ہے

مئی کی چلچلاتی سہ پہر پورے شہر کو گویا جھلسا رہی تھی۔ ایسے میں اس پوش علاقے کا وہ ریسٹورنٹ خالی لگ رہا تھا۔ دور کوئی اکا دکا میز پر تھی' ورنہ گرمی نے کاروبار ٹھنڈا کر رکھا تھا۔

گھنگھریالے بالوں کو ہاف کیچر میں باندھے' کہنی پہ پرس اٹکائے' سیاہ منی کوٹ اور سفید لباس میں ملبوس زمر متناسب چال چلتی اندر داخل ہوئی اور سیدھی دروازے کے قریب ایک میز تک چلی آئی۔

گئے برسوں میں ایک روز ادھر زرتاشہ بیٹھی دکھائی دی تھی' اب وہ کرسی خالی تھی۔ بے تاثر چہرے کے ساتھ وہ بیٹھ گئی اور پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ چار بج چکے تھے۔

ریسٹورنٹ کافی بدل چکا تھا۔ رنگ' فرنیچر۔ شاید مینیو بھی۔ مگر اسے تو ایک ایک تفصیل یاد تھی۔ سو کوشش کی کہ بھوری آنکھوں کو میز پہ رکھے گلدان پہ جمائے اور ہلائے نہیں۔ ورنہ کچھ اندر تک ہل جاتا تھا۔

"لانگ ٹائم' میڈم!" وہ کرسی کھینچ کر سامنے بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تو زمر نے آنکھیں اٹھائیں۔ آخری ملاقات کا منظر آنکھوں میں جھلملا گیا۔ جیل کا ملاقاتی کمرہ' اور میز کے پار بیٹھا سفید کرتے شلوار اور کسی ہوئی پونی والا فارس۔ (میں.... معافی.... نہیں مانگوں گا!) پھر منظر بدلا اور چار برس پہلے کی زرتاشہ اسٹرا لبوں میں دبائے ادھر بیٹھی نظر آئی' اور اب.... اب وہ پوری آستین کی ٹی شرٹ میں ملبوس' ہاتھ باہم ملا کر میز پہ رکھے' چھوٹے کٹے بالوں کے ساتھ' ہلکی سنہری آنکھوں کو سکیڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

ان تینوں مناظر میں' زرتاشہ' جیل والا فارس' اب کا فارس' ان سب میں اگر کچھ مشترک تھا تو وہ زمر تھی۔ وہی بال' وہی سیاہ کوٹ' وہی سفید لباس۔ سب آگے بڑھ گئے یا پیچھے رہ گئے' ایک اسی کی زندگی رکی ہوئی تھی۔

"لانگ ٹائم' فارس!" ویٹر نے آ کر مینو کارڈ سامنے رکھے۔ زمر نے کافی منگوائی۔ فارس نے کچھ نہیں منگوایا۔

"تو کیوں ملنا چاہتے تھے آپ مجھ سے؟" اس کی آنکھوں میں دیکھ کر وہ ٹھنڈا سا بولی۔

"آپ کے والد نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ سے شادی کرلوں۔" اس کے تاثرات دیکھنے وہ رکا۔ زمر نے ہلکے سے اثبات میں سر کو خم دیا۔

"مجھے معلوم ہے۔ انہوں نے مسز کاردار کے کہنے پہ ایسا کیا اور مسز کاردار نے میرے کہنے پہ۔"

فارس نے تعجب سے چہرہ ذرا پیچھے کیا۔ پتلیاں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے زمر نے ابرو اٹھائی۔

"کیوں آپ کو کیا لگا تھا؟ میں جھوٹ بولوں گی' اداکاری کروں گی' یہ ظاہر کروں گی کہ آپ کو معاف کر دیا ہے' یا بے گناہ سمجھتی ہوں اور دل سے اس شادی پہ راضی ہوں؟" ذرا سے استہزاء سے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ مجھے بالکل نہیں جانتے فارس!"

وہ پیچھے ہو کر بیٹھا' کھوجتی مشتبہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے واقعی امید نہیں تھی کہ وہ خود ہی ہر بات کا اعتراف کرلے گی۔

"آپ نے مسز کاردار سے ایسا کرنے کے لیے کیوں کہا؟"

"کیونکہ مجھے چند دن پہلے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے میرا رشتہ مانگا تھا اور میری امی نے انکار کیا تھا۔ اس سے پہلے میں اتنے سال یہ سمجھتی رہی کہ آپ نے مجھے صرف استعمال کی شے سمجھ کر استعمال کیا' کولیٹرل ڈیمیج۔ مگر اب مجھے پتا چلا ہے کہ یہ ذاتی جنگ تھی۔ میں مظلوم نہیں تھی' انتقام لیا تھا آپ نے مجھ سے۔"

وہ خبریں پڑھنے کے انداز میں کہے گئی۔ کافی آ گئی تو اس نے کپ اٹھا لیا۔ جلتا ہوا مگ لبوں سے لگایا۔

"اچھا پھر؟" وہ چبھتی آنکھیں اس پہ مرکوز کیے ہوئے تھا۔

"اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ابا تب سے اب تک میری آپ سے شادی کروانا چاہتے ہیں۔ سو میں نے

مسز کاردار سے کہا کہ وہ ایسا کروادیں۔ میں آپ سے شادی کے لیے تیار ہوں۔ کافی اچھی ہے۔" سراہ کر اس نے کپ واپس دھرا۔

"ہوں اور کس لیے؟" جواب میں زمر نے ہلکے سے شانے اُچکائے۔

"یہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے میں آپ سے آپ کے جرائم کا اعتراف کرواسکتی ہوں اور مجھے یہی کروانا ہے۔"

"تو اگر آپ مجھ سے انتقاماً" شادی کرنا چاہتی ہیں تو مجھے کیوں بتارہی ہیں؟"

"کیونکہ آپ کے برعکس میں پیٹھ پہ وار کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں آپ کو پہلے سے وارن کررہی ہوں۔ میں یہ شادی آپ سے اعتراف جرم کے لیے کررہی ہوں۔ اس لیے آپ چاہیں تو یہ شادی نہ کریں اور میرے ابا کو انکار کردیں۔ فیصلہ آپ پر ہے۔" کپ کے منہ پہ انگوٹھا پھیرتی وہ کہہ رہی تھی۔

فارس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔

"اس آپشن کا شکریہ کیا میں اس پوزیشن میں ہوں کہ جب وہ اپنے منہ سے کہہ چکے ہیں تو ان کو انکار کردوں؟"

زمر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "میں نے آپ کو مطلع کرنا تھا، کردیا۔ مجھ سے شادی کریں گے تو اعتراف جرم کرنا ہی پڑے گا ایک دن۔ آگے آپ کی مرضی۔" کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔ پرسکون، مطمئن آنکھیں فارس پہ جمی تھیں۔

فارس آگے ہوا، میز پہ ہاتھ رکھ کر اس کی سمت جھکا۔ "کیا آپ مجھے چیلنج کررہی ہیں؟"

"سچائی بتارہی ہوں!"

"اور یہ سچائی کتنے لوگوں کو مزید بتانے کا ارادہ ہے آپ کا؟"

"اگر آپ نے وہ جرم نہیں کیا تھا تو آپ کو فکر نہیں کرنی چاہیے۔" کپ پرے کرکے اس نے بیگ کی اسٹرپ کندھے پہ ڈالی۔ سرد سا مسکرائی "اور اگر آپ کو شادی پہ کوئی اعتراض نہ ہو تو اتنا خیال رکھیے گا

کہ میرے بھتیجے، اور میرے ابا اس معاملے سے بے خبر رہیں، جو ہمارے درمیان ڈسکس ہوا ہے۔ اس سب میں ان کو دکھ نہیں پہنچنا چاہیے۔"

"شیور!" اس نے تلخی سے گردن کو خم دیا۔

"کوئی اور سوال نہیں ہے تو میں جاؤں؟" اور پرس تھامے اٹھی کرسی دھکیلی اور جانے کے لیے مڑی۔

"صرف ایک سوال میم!" وہ جیب سے والٹ نکالتے اٹھا۔ سر جھکائے چند نوٹ نکالے، میز پہ رکھے اور چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اگر میرے خلاف اس ساری ان تھک محنت کے بعد آپ کو یہ معلوم ہوا کہ میں بے گناہ تھا، تو کیا کریں گی آپ؟"

زمر، جو اس کے مخاطب کرنے پہ رکی تھی، پرس پہ ہاتھ رکھے کھڑی، چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

"ہم دونوں جانتے ہیں کہ آپ بے گناہ نہیں ہیں!"

پھر مڑی اور تیز تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گئی۔ اس کے پاس اس سوال کا جواب نہ تھا، یا اس نے جواب سوچا ہی نہیں تھا۔

فارس کان کی لو مسلتا، سوچتی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼
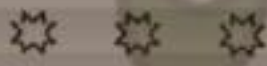
ہو گلہ کسی سے کیوں اپنی مات کا ہی جب
شہہ جو دلا دیں وہ اپنے ہی تو مہرے ہیں

قصر کاردار میں اس رات ڈائننگ ہال میں کھانا چن دیا گیا تھا، اور ہاشم خالی سربراہی کرسی کے دائیں ہاتھ کی پہلی کرسی پہ بیٹھا، نیپکن پھیلا رہا تھا جب اس نے لاؤنج کی سمت سے جواہرات کو آتے دیکھا۔

"کس کا فون تھا؟" جواہرات پہلے سربراہی کرسی پہ بیٹھی، لٹ انگلی سے پیچھے کی، پھر کہنیاں میز پہ رکھے دونوں ہاتھوں کو اوپر تلے رکھ کر تھوڑی ان پہ جمائے،

مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ سیاہ پینٹ کے ساتھ سفید شرٹ میں ملبوس سر جھکائے پلیٹ اپنی طرف کر رہا تھا۔

"فارس کا۔"

چاول پلیٹ میں نکالتے ہاشم نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

"برا منہ مت بناؤ۔ اس نے بتایا کہ وہ زمر سے شادی کے لیے راضی ہے اور یہ کہ میں زمر کے والد کو مطلع کر دوں۔"

"کیا اسے یہ اطلاع اپنی بہن کو نہیں دینی چاہیے تھی؟"

"ان کو بھی دے گا۔ مجھے تو بس یہ جتا رہا تھا کہ زمر نے اسے بتا دیا ہے کہ اس نے خود یہ بات شروع کرنے کے لیے مجھے کہا تھا۔"

کانٹے سے چاول لبوں تک لے جاتے ہاشم نے رک کر اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"زمر نے اسے کیوں بتایا؟"

"اسے مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔ اسے لگا ہو گا کہ میں اس راز کو اس کے خلاف استعمال کر سکتی ہوں اسی لیے بتا دیا۔ مجھے بھی اس کی امید نہیں تھی' مگر بہرحال' وہ ایک عقل مند عورت ہے۔" گہری سانس لے کر جواہرات نے سلاد کے پیالے سے چمچ بھر کر اپنی پلیٹ میں ڈالا۔

"انتقام لینے کے ایک ہزار طریقے ہوتے ہیں۔ اسے فارس سے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے بالکل بھی یہ سب پسند نہیں آ رہا۔" وہ ناپسندیدگی سے کہتا' پلیٹ پہ جھکے کھا رہا تھا۔

"تمہیں کیا برا لگ رہا ہے؟"

"وہ شادی کے بعد ادھر۔۔۔" ابرو سے کھڑکی کی جانب اشارہ کیا جس کے پار دور سبزہ زار انیکسی کھڑی تھی۔ "ادھر آ کر رہنے لگ جائے گی۔ صبح شام مجھے اس کی شکل دیکھنی ہو گی۔ ناقابل برداشت۔" منہ میں چاول رکھے برہم آنکھوں کے ساتھ چباتا رہا۔

"یہ ہمارے لیے زیادہ اچھا ہے۔ تم دیکھتے جاؤ۔" وہ مسکرا دی۔

"شیرو کہاں ہے؟ کل بھی ڈنر پہ نہیں تھا۔" تھوڑی خاموشی کے بعد ہاشم نے مقابل رکھی خالی کرسی کو دیکھ کر پوچھا۔

"دوستوں کے ساتھ باہر ہے۔ شاید۔"

"آپ نے پوچھا نہیں' یہ کون سے نئے دوست نکل آئے ہیں اس کے؟"

"خود ہی تو کہتے ہو' اس پہ دباؤ نہ ڈالا کروں۔ سو خاموش ہوں۔"

ہاشم نے نیپکن سے لب تھپتھپائے اور پھر اسے گویا میز پہ پرے پھینکا۔ جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ برہم نظر آ رہا تھا۔

"وہ ابھی تک شہری کی وجہ سے ایسا ہے؟"

"اس بات کو ڈیڑھ ہفتہ ہی تو ہوا ہے' اتنی جلدی کیسے سنبھلے گا۔ خیر' تم بات کر کے دیکھ لو۔ کیونکہ جب میں بات کروں گی تو پھر ایک ہی دفعہ کروں گی۔" مسکراتے مگر سرد لہجے میں کہہ کر وہ کھانے لگی۔

"پھر کبھی سہی۔" ہاشم میز سے سیل فون اٹھا' کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ البتہ اس کی آنکھوں میں ہنوز غصہ اور ناگواری موجود تھی۔

☼ ☼ ☼

تو محبت سے کوئی چال تو چل!
ہار جانے کا حوصلہ ہے مجھ کو!

اپارٹمنٹ بلڈنگ کے اس فلور پہ مدھم بتیاں جل رہی تھیں۔ سیڑھیاں ویران تھیں' البتہ لفٹ کی بیرونی اسکرین پہ نمبر بدلتا نظر آ رہا تھا۔

دفعتاً لفٹ ادھر ہی رکی۔ دروازے 'سس' کی آواز سے کھلے۔ اندر سے اسٹریپ والا بیگ کندھے پہ ڈالے جینز' ٹی شرٹ اور الٹی پی کیپ والا احمر نکلا۔ ماتھے پہ کٹے بال اب کے کیپ کے اندر تھے اور لاپروا چہرے پہ وہی تاثرات تھے جو ہمیشہ ہوتے تھے۔ لبوں کو گول کیے' وہ مدھم سی سیٹی بجاتا اپنے دروازے تک آیا۔ چابی لاک میں گھمائی۔ اسے کھول کر اندر قدم

رکھا۔

راہداری میں اسی طرح سیٹی بجاتا آگے آیا۔ لاؤنج کی میز پہ بیگ رکھا اور کیپ اتاری ہی تھی کہ ایک دم کرنٹ کھا کر دو قدم پیچھے ہٹا۔

کچن کاؤنٹر کے اونچے اسٹول پہ فارس اس کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔ کہنیاں کاؤنٹر پہ جمائے' وہ سافٹ ڈرنک کے کین سے گھونٹ بھر رہا تھا۔

"اوہ ایم جی!" احمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا' پھر پلٹ کر راہداری کو اور پھر ہاتھ میں پکڑی چابیوں کو۔

"کیا تم میرے گھر کا لاک توڑ کر اندر آئے ہو؟"

فارس نے گھونٹ بھرتے بھرتے رک کر چہرہ گھمایا۔ چھوٹے سے فلیٹ کا جائزہ لیا۔ "یہ گھر ہے؟"

"کم از کم جیل نہیں ہے۔" وہ جل کر کہتا کاؤنٹر تک آیا اور خفگی سے اسے دیکھا۔

فارس اسی گرے پوری آستین کی شرٹ میں ملبوس تھا جو سہ پہر زمر سے ملاقات میں پہن رکھی تھی۔

"میں نے پوچھا' تم میرے اپارٹمنٹ میں داخل کیسے ہوئے؟"

"اے... تمیز سے... کیا تم مجھے آپ نہیں کہا کرتے تھے؟" اسے گھور کر دیکھا اور کین اونچا کر کے آخری گھونٹ اندر انڈیلا۔

"تب ہم اتنے بے تکلف نہیں تھے۔" اس نے شانے اچکائے' اپنے سوال پہ لعنت بھیجتا' وہ فریج تک آیا' اور کھول کر اندر جھانکا۔ پھر دروازہ بند کر کے برا منہ بنا کر پلٹا۔

"آخری کین تمہیں ہی مبارک ہو' غازی! اب بتاؤ' مزید کتنا اسلحہ چاہیے؟"

دوسرا اسٹول کھینچ کر اس کے ہمراہ بیٹھا اور رخ بھی اس کی طرف پھیر لیا۔ جیل سے نکلتے ہی فارس نے اسے فون کر کے اسلحہ منگوایا تھا' جو اس نے ارینج کر کے دے بھی دیا تھا۔

"اسلحہ نہیں چاہیے۔"

"پھر؟"

"میں شادی کر رہا ہوں۔" خالی کین ہاتھ میں گھماتے اس نے گردن موڑ کر احمر کو دیکھا۔ احمر کا پہلے تو منہ کھل گیا۔ پھر اس نے بند کر لیا۔ پھر اثبات میں دو تین دفعہ سر ہلایا۔

"گڈ۔ مبارک ہو۔"

فارس نے ابرو اٹھا کر "بس یہی؟" والے انداز میں اسے دیکھا۔

"اور کیا پوچھوں؟" ناراضی سے سر جھٹکا۔ پھر چھت کو دیکھتے ذرا سا سوچا۔

"ویسے کون ہے یہ بے چاری جس سے تم شادی کرنے جا رہے ہو؟"

فارس چند لمحے سوچتا رہا' پھر گہری سانس لی۔

"چڑیل ہے۔"

"نہ کرو بھئی۔" احمر نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "اب اتنی کوئی بری شکل کی بھی نہیں ہو گی جو اسے چڑیل کہا جائے' پتا ہے یہ سب لڑکیاں۔" بولتے بولتے ایک دم اسے بریک لگا۔ اسٹول سے جھٹکے سے اٹھا۔ نہایت بے یقینی سے فارس کو دیکھا جو ہنوز بیٹھا کین کو ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔

"وہ... وہ چڑیل؟ نہ کرو یار... وہ پراسیکیوٹر زمر یوسف؟" اس کے کندھے کو جھنجھوڑتا وہ واپس اسٹول پہ بیٹھا۔ آنکھیں ابھی تک بے یقینی سے پھیلی تھیں۔

"مگر کیوں؟ دماغ تو ٹھیک ہے؟" وہ حیران پریشان سا پوچھے جا رہا تھا' دفعتاً ڈور بیل بجی۔

"کھانا منگوایا تھا۔ لے آؤ۔ پھر بات کرتے ہیں۔" اس نے کین ڈسٹ بن کی جانب اچھالتے دروازے کی طرف اشارہ کیا تو احمر کو چارو ناچار اٹھنا پڑا۔

پندرہ منٹ بعد وہ دونوں لاؤنج کے صوفوں پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میز پہ ٹیک اوے کے ڈبے کھلے پڑے تھے اور کھانا ختم ہوا چاہتا تھا۔

"میرا مشورہ مانو تو فوراً" شادی سے انکار کر دو۔ ورنہ جو زمر صاحبہ تمہیں برا پھنسائیں گی نا' یاد رکھو گے۔"

فارس نے بے زاری سے ناک سے مکھی اڑائی۔

"نہیں کر سکتا انکار۔ اس کے باپ کے احسان ہیں مجھ پہ۔ وہ نہ ہوتے تو میں یہاں نہ ہوتا۔"

"اور ان کی بیٹی نہ ہوتی تو واقعی تم یہاں نہ ہوتے۔"

"بکومت۔" وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتا پیچھے ہو کر بیٹھا۔ بازو صوفے کی پشت پہ لمبا سا پھیلا لیا۔ اوپن کچن کی سمت دیکھتے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"ویسے ایک بات سوچنے کی ہے۔ اگر اس کو تم سے...!"

فارس نے نگاہیں اس کی جانب پھیر کر گھورا۔ احمر رکا۔ "اگر ان کو تم سے..." (تصحیح کرتے بات جاری رکھی) اعتراف جرم کروانا ہے یا تمہیں مجرم ثابت کرنا ہے تو اس کے لیے شادی کرنے کی کیا ضرورت؟ مطلب' یہ کام تو کسی اور طریقے سے بھی ہو سکتا ہے نا۔"

"مجھے معلوم ہے' وہ کیوں شادی کرنا چاہتی ہے' جب آخری دفعہ وہ جیل میں مجھ سے ملنے آئی تھی تو اس نے کہا تھا' اچھا ہے جیل توڑو اور باہر جاؤ' دوبارہ شادی کرو اور اس بیوی کو بھی مار دو۔ تم وائف کلرز کی سائیکی... پتہ نہیں کچھ ایسا ہی بولا تھا اس نے۔" ہلکے سے سر جھٹکا تو احمر کا منہ کھل گیا۔

"تم... تم ان کے نزدیک وائف کلر ہو اور... اور بیوی کو قتل کرنے والے ہمیشہ یہی تو کرتے ہیں۔" احمر نے پرجوش انداز میں صوفے کے بازو پہ ہاتھ مارا۔ "وہ پہلے قتل کے الزام سے بچ جائیں تو دوبارہ شادی کرتے ہیں' اور دوبارہ قتل کرتے ہیں دوسری بیوی کو۔ وہ سمجھتی ہیں کہ تم انہیں بھی مارنے کی کوشش کرو گے اور پکڑے جاؤ گے۔"

"نہیں۔ اسے اچھے سے پتا ہے کہ میں اسے نہیں ماروں گا۔ مگر باقی دنیا کو تو نہیں پتا۔"

"مطلب؟" احمر نے الجھ کر اسے دیکھا۔ وہ دو انگلیوں سے ٹھوڑی کے بال نوچتے کہہ رہا تھا۔

"وہ مجھے زمر یوسف کے ارادۂ قتل کے جرم میں پھنسانا چاہے گی۔ وہ واقعات کو اپنی مرضی سے ترتیب دے گی۔ ایسے کہ دنیا مان لے' فارس غازی نے پھر سے زمر کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس دفعہ لوگ اس کا یقین کریں گے۔"

احمر دم بخود بیٹھا سن رہا تھا۔ ذرا دیر کو خاموشی چھا گئی' پھر اس نے گویا جھرجھری لی۔

"سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم اس سے شادی کر رہے ہو؟ ابھی بھی وقت ہے یار۔ اس کے باپ کو انکار کر دو' یا یہ شہر چھوڑ کر چلے جاؤ۔"

مگر فارس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس کے پاس میرا جرم ثابت کرنے کا یہ آخری راستہ ہے۔ میرے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا یہ آخری راستہ ہے۔ میں اس کو نہیں گنواؤں گا۔ وہ اپنی پوری کوشش کر لے' تب بھی مجھے نہیں پھنسا پائے گی۔ پچھلی دفعہ اگر وارث کے قاتل مجھے سیٹ اپ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے تو وہ میری غلطی تھی۔" وہ انگوٹھے کے ناخن سے ٹھوڑی مسلتا' میز پہ بکھرے ڈبوں کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔ "میرا بھائی قتل ہوا تھا' تو مجھے زیادہ احتیاط کرنا چاہیے تھی' مگر مجھے لگا تھا..." اس نے تلخی سے مسکرا کر سر جھٹکا۔ "کہ مجھے کوئی پھنسا نہیں سکتا۔ تب تک میں لوگوں کو گرفتار کرتا آیا تھا' کوئی مجھے کیسے گرفتار کر سکتا تھا؟ مگر اس دفعہ ایسا نہیں ہو گا اسٹیپنی۔ اس دفعہ میں تیار ہوں۔"

حتمی سنگین لہجے میں کہہ کر اسے دیکھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ احمر ابھی تک فکرمندی سے اسے تک رہا تھا۔

"میڈم پراسیکیوٹر کا قصور نہیں ہے۔" فارس نے اب کے نرمی سے اسے گویا تسلی دی۔

"ہاں' وہ تمہیں پھانسی پہ لٹکا دے گی' تب بھی کہنا اس کا قصور نہیں ہے۔" وہ جی جان سے جل گیا تھا۔

"اونہوں۔ یہ میرا قصور ہے۔ میرے بھائی کے دشمن اور میرے دشمنوں نے میری وجہ سے' مجھے پھنسانے کے لیے ان کو زخمی کیا۔ اگر وہ مجھے مورد الزام ٹھہراتی ہیں تو وہ غلط نہیں ہیں۔" چابی اور فون اٹھا کر وہ راہداری کی جانب بڑھ گیا۔

"مجھے پتا ہے' کیا لگتا ہے؟" عقب سے احمر کی آواز پہ اس کے قدم رکے۔

"مجھے لگتا ہے' یہ سب وہ بہانے ہیں جو تم نے

گھڑے ہیں۔ اس کے ابا کے احسان' اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا موقع' اس کے دکھوں کی وجہ تمہاری ذات کا ہونا۔ اونہوں۔ سب بہانے ہیں غازی۔" وہ بکھرے ڈبے سمیٹتا سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ فارس نہیں مڑا' وہیں رکا کھڑا رہا۔ آنکھیں بیرونی دروازے پہ لگی تھیں اور گردن میں ڈوب کر ابھرتی گلٹی واضح دکھائی دی تھی۔ اسے پتا تھا اسٹیپنی کیا بکنے والا ہے۔

"تم اسے پسند کرتے ہو اور اسے کھونا نہیں چاہتے۔ یہ پہلی وجہ ہے۔ باقی وجوہات اس کے بعد آتی ہیں۔"

"بکومت!" وہ بنا پلٹے مدھم آواز میں بولا' تیز قدموں سے باہر نکلا اور دروازہ زوردار "ٹھاہ" سے بند کیا تو ڈبے اکٹھے کرتے احمر کے ہاتھ سے کچھ گرتے گرتے بچا۔

"آوچ!" اس نے خفگی سے راہداری کی سمت دیکھا۔ "سچ بولنے کا تو زمانہ ہی نہیں رہا' اسٹیپنی۔ اونہوں' احمر۔" ناگواری سے تصحیح کرتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☼ ☼ ☼

کتنی عجیب بات ہے جو نہ چاہتا تھا میں
قسمت سے اس طرح کا مقدر ملا مجھے

یوسف صاحب کا بنگلہ رات کے اس پہر خاموش اور اداس پڑا تھا۔ لاؤنج کی کھڑکی سے اندر جھانکو تو سب تاریک تھا' سوائے یوسف صاحب کی وہیل چیئر کے جسے وہ خود چلاتے' راہداری کی سمت لے جا رہے تھے۔ سناٹے میں پہیوں کی چیں چیں نے جیسے کوئی مدھم سا نوحہ بلند کیا۔ پھر اس میں زمر کے کمرے کے دروازے کی چرچراہٹ بھی شامل ہوئی جسے دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئے۔

وہ جائے نماز پہ بیٹھی دوپٹہ چہرے کے گرد لپیٹے' سلام پھیر چکی تھی اور اب دعا مانگنے کے بجائے مخملیں جائے نماز پہ انگلیاں پھیرتی کچھ سوچ رہی تھی۔ آہٹ پہ چونک کر گردن موڑی۔ انہیں دیکھ کر نرمی سے مسکرائی اور رخ ان کی سمت پھیرتے ہوئے اکڑوں بیٹھ کر گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنالیا۔ پھر نرمی سے پوچھا۔

"آپ سوئے نہیں ابھی تک؟" بڑے ابا نے نم آنکھوں سے اس کا چہرہ تکا۔ سیاہ دوپٹے کے ہالے میں وہ گندمی چہرہ تھا۔ خوب صورت نہیں تھی وہ مگر اچھی شکل کی تھی۔ پرکشش اور کچھ اس کا ٹھنڈا' پرسکون انداز تھا جو اسے پرکشش بناتا تھا۔ وہ بھگو بھگو کر اور لپیٹ لپیٹ کر بھی اپنی ٹھنڈے انداز میں مارا کرتی تھی' اور اپنی نرمی' اور تلخی کے باوجود' وہ ان کو بہت پیاری تھی۔

"تم ناراض ہو گیا؟" انہوں نے اس کا سوال شاید سنا ہی نہیں۔ بس گیلی آنکھوں سے دیکھتے اپنی پوچھے گئے۔

"نہیں ابا۔ میں کیوں ناراض ہوں گی؟"

"تم نے سعدی سے کہا کہ تم شادی کر لوگی فارس سے۔ کیا یہ ناراضی میں کہا؟" زمر کی آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں مگر وہ ان کو چھپا کر مسکرادی۔

"زمر سے کوئی زبردستی کروا سکتا ہے کیا؟"

"پھر بیٹے! تم کیوں شادی کر لوگی اس سے؟ تم انکار کرنا چاہتی ہو تو کردو۔ میں ساری بات یہیں ختم کردوں گا۔ وہ بھی پتا نہیں کیسے میں مسز کاردار کی وجہ سے وہ سب فارس سے بول گیا۔" شکستگی سے نفی میں سر ہلاتے وہ سخت رنجیدہ خاطر لگ رہے تھے۔

"اس روز جس شادی پہ میں سعدی لوگوں کے ساتھ گئی تھی نا' ادھر میں نے حماد کو دیکھا۔ کرن بھی ساتھ تھی اور دو بچے بھی۔" وہ اداسی سے مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

"تب میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے ورنہ میں صرف خود کو اور باقی سب کو نقصان دوں گی۔ اس لیے اب میں اس فیصلے پہ عمل درآمد کرنے جا رہی ہوں' تاکہ ہم سب کی زندگی میں بہتری آئے' ہم سب اس ناسور سے جان چھڑالیں جو چار برس قبل ہماری زندگی میں آیا تھا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے' مگر تم دل سے فارس سے شادی پہ

راضی ہو؟"

"میں اپنی زندگی سے یہ ناسور اکھاڑ پھینکنے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار ہوں ابا! فارس سے شادی تو چھوٹی بات ہے۔" وہ بہت ضبط سے مسکراتی اس کا نام لے کر کہہ رہی تھی۔

"اور.... تم نے اس کی طرف سے اپنا دل صاف کر لیا کیا؟" ان کے چہرے پہ امید جاگی تھی پھر بھی ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی زمر نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میرے خیالات اس کے بارے میں بالکل کلیئر ہیں' اگر کوئی ابہام تھا بھی تو وہ دور ہو چکا ہے۔ میں اس سے ملی تھی شام میں' ہم دونوں نے اس بارے میں بات کی' اپنی ترجیحات بتائیں' اور وہ میری طرف سے مطمئن تھا۔ جب ہی اس نے رضامندی ظاہر کر دی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ اس کے متعلق میرے دل میں کوئی میل نہیں' کوئی بغض نہیں' مگر اتنا کہوں گی کہ اس شادی کے بعد کم از کم ہم سب سچائی سے واقف ہو جائیں گے۔" اس نے سچ سچ سب بتا دیا۔ مگر اسے معلوم تھا کہ وہ کیا بول رہی ہے اور ابا کیا سمجھیں گے۔

"اچھا تمہاری بات ہوئی ہے اس سے؟" انہوں نے قدرے تسلی بخش انداز میں سر ہلاتے ہوئے صرف اپنی خواہش کا مطلب سمجھا۔

"جی' بالکل۔ اس نے تحمل سے میری فیلنگز سنیں اور پھر وہ رضامند ہو گیا۔ اور اگر وہ راضی ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔ میں اس سے شادی کر کے' ایک نئے سفر کا آغاز کرنا چاہوں گی ابا' اور یہی سفر ہم سب کو حقیقت پسند بنائے گا۔"

اور پھر وہ نرمی سے مسکرائی۔ بڑے ابا نے بازو بڑھا کر اس کا دوپٹے میں لپٹا سر تھپکا' اور ہلکی سی مسکراہٹ اور ڈھیروں سکون کے ساتھ واپس پلٹ گئے۔ جب ان کی وہیل چیئر باہر نکل گئی تو زمر کی آنکھوں کی نرمی عجیب سی تکلیف میں بدل گئی۔ وہ سست روی سے اٹھی اور دروازہ بند کیا۔ پھر دروازے سے کمر لگا کر چند لمحے کھڑی رہی۔

"قاتلوں کو ہم اس لیے سزا دیتے ہیں ابا! تاکہ وہ مزید معصوم لوگوں کی زندگیوں سے نہ کھیلیں۔ اس شخص نے ہمیشہ ان ہی کو نقصان دیا ہے' جو اس کے لیے اپنائیت رکھتے تھے اور اب آپ سب اس کے لیے اپنائیت رکھتے ہیں۔ یہ صرف میرے لیے نہیں ابا! یہ ہم سب کے لیے ہے۔ ہمیں فارس غازی نامی ناسور کو اپنی زندگیوں سے اسی طرح نکالنا ہو گا۔" اداسی سے سوچتی وہ دوپٹے کی تہیں چہرے کے گرد سے کھولنے لگی۔

☼ ☼ ☼

اتنا بھی صبر و شکر کا قائل نہیں یہ دل
کہ ہر کیفیت میں آپ کے گن گائے جائے گا

اگلی صبح شہر پہ پہلے سے بھی گرم طلوع ہوئی تھی۔ چھوٹا باغیچہ دھوپ میں جھلس رہا تھا۔ گھاس دہک رہی تھی۔ پھول جل رہے تھے۔ ایسے میں گھر کے اندر کولر کی ٹھنڈی' نم ہوا نے گرمی کو کم کر رکھا تھا اور وقفے وقفے سے اس کولر سے اڑتے پانی کے چھینٹے کبھی سامنے بیٹھے فارس کو جا چھوتے تو کبھی حنین کو آ لگتے۔

ندرت لینڈ لائن کا ریسیور کان سے لگائے بات کر رہی تھیں اور ٹیک لگا کر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا فارس' جس کا ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلا تھا' انہیں دیکھ رہا تھا۔ مقابل صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی حنین گھٹنوں پہ آم کی پلیٹ رکھے' بیزار سی قاشیں کاٹ رہی تھی۔

"جی۔ یہ فارس نے ہی مجھ سے کہا ہے بڑے ابا۔" ندرت نے کہنے کے ساتھ فارس کو دیکھا۔

"جی وہ اسی اتوار کی بات کر رہا ہے۔ جی ابا! میں نے بھی اس سے کہا تھا کہ اتوار میں صرف تین ہی دن ہیں' مگر اس کا کہنا ہے کہ وہ دیر نہیں کرنا چاہتا۔ آپ زمر سے پوچھ کر بتا دیں' اگر اسے کوئی اعتراض نہیں ہے تو...."

وہ رک کر بات سننے لگیں۔ چہرے پہ سکون اور خوشی تھی۔

"جی ابا۔ ٹھیک ہے۔ میں فارس کو بتا دیتی ہوں۔

شکریہ ابا۔" فون رکھ کر وہ اس کی جانب مڑیں۔
"وہ کہہ رہے ہیں، نکاح کے لیے اتوار کا دن ٹھیک ہے۔ مان گئے ہیں۔"
فارس نے تعجب سے ابرو اکٹھے کیے۔ "اپنی بیٹی سے بات کیے بغیر؟"
"ان کا کہنا ہے کہ جب دوسری طرف سے تاریخ مانگی جائے تو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ پہلے دو دفعہ بھی تو یہی ہوا تھا نا۔ اب وہ ڈر گئے ہیں۔ مگر تم مجھے بتاؤ، اتنی جلدی مچانے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ فرصت سے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔
"زیادہ دیر کی تو شاید میں اپنا ذہن بدل لوں۔" ہلکے سے شانے اچکا کر وہ کولر کی سمت دیکھنے لگا۔
"دو دن میں کیا تیاری ہوگی؟ مانا کہ صرف گھر کے لوگ ہوں گے مگر کچھ تو کرنا ہی ہوتا ہے۔"
"امی! میرے کپڑے بھی لینے ہیں۔" حنین نے قاش کھاتے لقمہ دیا۔
"میرے کپڑے بھی۔" اندر سے سیم نے گلا پھاڑ کر پکارا۔
"ہاں، بس زمر کا ڈریس لوں یا نہیں، تم لوگوں کی چیزیں پوری ہونا چاہئیں۔ اٹھو، نماز پڑھو۔" جل کر کہتی گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اٹھیں اور کمرے کی طرف چل دیں۔
"ابھی بھی وقت ہے، انکار کر دیں، ماموں۔" حنہ نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔
"میں سن رہی ہوں حنین۔ فضول بکواس مت کیا کرو۔ اٹھو نماز پڑھو۔" اندر سے امی کی عصیلی آواز یہاں تک آئی مگر وہ سکون سے آم کی قاش کو ہاتھوں سے منہ کے اندر لے جاتی رہی۔
"میں انہیں انکار نہیں کر سکتا۔ ان کے مجھ پہ احسان ہیں۔" اس نے آواز دھیمی کر لی۔
حنین پیلے رس والے ہاتھوں سے چھلکوں کی پلیٹ اٹھائے کھڑی ہوئی اور کچن میں چلی گئی۔ جب واپس آئی تو ہاتھ منہ دھلا ہوا تھا۔ سنجیدگی سے اسے دیکھتی وہ اس کے قریب صوفے پہ بیٹھی۔
"امی سے کہہ دیں، وہ انکار کر دیں گی۔" نیا آئیڈیا پیش کیا۔
"تم کیوں چاہتی ہو میں انکار کروں؟"
"کیونکہ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا۔ آپ غلطی کرنے جا رہے ہیں۔ وہ آپ کو پسند نہیں کرتیں، پھر کیسے رہیں گے ان کے ساتھ؟"
"تمہیں لگتا ہے میں بھول گیا ہوں جو انہوں نے میرے ساتھ کیا تھا؟"
حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا نہیں بھولے؟"
"چار سال!" فارس نے انگوٹھا اندر کر کے چار انگلیاں اسے دکھائیں۔ "چار سال اس عورت نے جو میرے ساتھ کیا، مجھے جس طرح ذلیل کیے رکھا، پوری دنیا کے سامنے مجھے قاتل ثابت کرنے کی کوشش کی، میرا ساتھ نہیں دیا، وہ سب بھولا نہیں ہوں میں۔" اور یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں سختی در آئی تھی۔
حنین بالکل ساکت ہو کر اسے دیکھنے لگی، پھر سر نفی میں ہلاتی پیچھے ہٹی۔
"تو آپ یہ شادی مجبوری میں، زبردستی نہیں کر رہے؟ آپ ان سے انتقام لینا چاہتے ہیں؟" اس کی آنکھوں میں بے یقینی پھیلی تھی۔
"نہیں، صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا چاہتی ہیں۔"
مگر حنہ نے "اونہوں" نفی میں گردن ہلائی۔ "یو نو واٹ ماموں، آپ یہ شادی کر لیں۔ آپ دونوں ایک دوسرے کو ڈیزرو کرتے ہیں۔"
جل کر کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ فارس ہلکا پھلکا سا مسکرایا۔ اسے حنہ کی بات نے لطف دیا تھا۔ گردن اٹھا کر اسے دیکھا جو پہلے کی طرح اب عینک نہیں لگاتی تھی۔
"عینک والی حنہ کہاں گئی؟" اس کے چہرے پہ کچھ کھوجتے وہ جیسے سوچنے لگا۔
"آپریٹ کروالی تھیں آنکھیں۔ اب تو عینک بھول بھال گئی۔" اس نے نظریں چرا لیں۔ ادھر ادھر دیکھنے

لگی، پھر دوبارہ اسے دیکھا تو وہ ہنوز پرسوچ نظروں سے اس کا چہرہ تک رہا تھا۔

"تم میں کچھ بدل گیا ہے۔" چند دن لگے تھے مگر اس نے بھی بھانپ لیا تھا۔ اور حنین نے بے اختیار سوچا کہ پچھلا ڈیڑھ برس زیادہ اچھا تھا جس میں اتنے رشتے داروں سے میل ملاپ نہیں ہوا اور کسی نے اس سے یہ بات نہیں کہی جو ان ڈھائی ہفتوں میں کئی لوگ کہہ چکے تھے۔

"ویسی ہی ہوں۔ اتنا ہی کھاتی ہوں۔ اتنا ہی بولتی ہوں۔ آپ بات کو بدلنے کی کوشش نہ کریں۔" خفگی سے کہتے اس نے ریموٹ اٹھایا ہی تھا کہ اندر سے امی کی چنگھاڑ سنائی دی۔

"سیم! حنین! میں جوتا اتاروں گی تو تم لوگ اٹھو گے نماز کے لیے؟"

حنین نے پیر پٹخ کر ریموٹ رکھا اور غصے سے بڑبڑائی۔ "پتا نہیں ان زبردستی کی نمازوں کا کیا فائدہ۔" اور سر جھٹک کر کمرے کی طرف چلی گئی۔

فارس ٹی وی کی اسکرین کو دیکھتا کچھ سوچتا رہا۔

☼ ☼ ☼
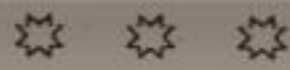
ایک شکست کے بدلے مجھ کو سب کے سب الزام نہ دے
کچھ کچھ تیری بات ہے سچی لیکن پوری ٹھیک نہیں!

اگلی صبح قصر کاردار پہ سنہرے پر پھیلائے یوں روشن ہوئی کہ برآمدے کے اونچے سفید ستون سونے کی مانند چمکنے لگے۔ ایسے ہی ایک ستون کے ساتھ ہاشم موبائل پہ بٹن دباتا چلا آرہا تھا۔ گرے پن اسٹرائپ سوٹ میں ملبوس، بال جیل سے پیچھے کیے، وہ آفس کے لیے تیار تھا۔ ساتھ چلتی جواہرات نے مسکرا کر اسے دیکھا، وہ کوئی میسج ٹائپ کرتے، اوپری زینے پہ رکا تھا۔ نیچے سبزہ زار پہ گاڑی تیار کھڑی تھی۔ ایک ملازم نے بریف کیس اندر رکھ دیا تھا، دوسرا دروازہ کھولنے کھڑا تھا۔

پیغام بھیج کر اس نے مسکرا کر ماں کو دیکھا۔ "آپ آرام سے آئیں گی آفس؟"

"ہوں۔ دس بجے تک۔"

"شیرد کو لے کر آئیے گا میں۔۔۔" فون کی بجتی گھنٹی پہ وہ رکا، ایک منٹ کا اشارہ کیا اور فون کان سے لگایا۔

"ہاں بولو۔ اچھا۔ ہاں ٹھیک ہے، تم میری اینجیو کو دے دو کام، وہ سنبھال لے گی۔"

فون بند کر کے جواہرات کا گال چومنے آگے بڑھا کہ وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی۔ ہاشم پہلے حیران ہوا، پھر جواہرات کی بے یقینی سے پھیلی آنکھوں کو دیکھا تو گہری سانس لے کر سر جھٹکا۔

"مجھے اس سعدی والے معاملے نے مصروف کر دیا، ورنہ میں آپ کو بتانے والا تھا۔"

"کیا تم نے کہا، میری اینجیو؟" وہ ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب تک آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو جانا چاہیے۔"

"کیا تم نے کہا میری اینجیو؟" وہ مضطرب مگر بلند آواز میں بولی۔

"میں نے اسے ڈی پورٹ نہیں کروایا، اس کی ایجنسی سے بھی بات نہیں کی۔ آپ سے کہا تھا کروں گا، مگر نہیں کیا۔ مجھے فیکٹری میں کچھ لوگوں کی نگرانی کروانی تھی، میری سے بہتر یہ کام کوئی نہیں کر سکتا، سو میں نے اسے روک لیا۔"

"تم یہ کیسے کر سکتے ہو ہاشم؟" جواہرات کا اضطراب غصے میں ڈھلنے لگا۔ "کیا تم بھول گئے، اس نے میرا نیکلس چرایا تھا۔"

"وہی نیکلس جو ڈیڑھ ہفتے سے سعدی کے پاس ہے؟"

"بات چوری کی ہے، اس نے اعتراف جرم بھی کر لیا تھا۔"

"یہی بات اس کو زیادہ قابل اعتبار بناتی ہے ممی! اس نے چوری کی، مگر پھر جھوٹ نہیں بولا۔ وہ کتنے سال ہمارے خاندان کے ساتھ وفادار رہی ہے، اس کا بچہ بیمار تھا اس لیے اس نے یہ کر دیا۔"

"تم کیسے اس کو دوبارہ کام پہ رکھ سکتے ہو؟ مجھے یقین نہیں آرہا۔" وہ اب تک بے یقین تھی۔

"ریلیکس ممی۔ صرف ایک مہینے کی بات ہے، میرا

کام ہو جائے میں اسے واپس بھجوا دوں گا۔"

"وہ پھر کوئی ایسی حرکت کرے گی ہاشم! تمہیں اس پہ اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔"

"کیوں فکر کرتی ہیں؟ ہاشم سب سنبھال لے گا۔ صرف ایک مہینہ ہی تو ہے، ممی۔" اس کے کندھے کے گرد بازو لپیٹ کر گویا تسلی دی اور مسکرا کر الوداعی کلمات کہتا برآمدے کے زینے اترنے لگا۔ جواہرات سفید پریشان چہرہ لیے کھڑی، اضطرابی انداز میں لاکٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔

(ڈیڑھ سال لگا اسے ہاشم کی وفادار ملازمہ کا بھروسا توڑنے میں، اتنی مشکل سے ایسے اس سے جرم کروایا کہ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ اس کا اصل جرم کیا تھا۔ اور اس سب کے باوجود بھی وہ اسی شہر میں تھی۔ مگر وہ کھلم کھلا اس کی مخالفت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ ہاشم کو شک ہو گیا تو..... نہیں۔) وہ نفی میں سر ہلاتی اندر کی طرف مڑ گئی۔

ہاشم کی گاڑی جب مرکزی گیٹ تک آئی تو ایک دوسری گاڑی اندر داخل ہو رہی تھی۔ ڈرائیونگ اسٹیئرنگ کے پیچھے بیٹھی شہرین کا چہرہ دیکھ کر ہاشم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ ایک اشارہ ڈرائیور کو کیا، دوسرا مقابل کار میں موجود شہرین کو۔ ڈرائیور نے کار سائیڈ پہ لگا دی اور باہر نکل گیا۔ چند لمحے بعد، پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر شہرین ساتھ بیٹھی۔ وہ صبح کی مناسبت سے سفید بنا آستین کی اونچی قمیص اور بیج ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔ سنہرے باب کٹ بال چونچ کی صورت چہرے کے اطراف میں آتے، سائیڈ کی مانگ اور سنہرے چہرے پہ شدید فکر مندی سی کیفیت۔

"میں تمہیں تین دن سے کال کر رہی ہوں، تم اٹینڈ نہیں کر رہے۔" اس کی طرف چہرہ کر کے بیٹھی مضطرب سی کہنے لگی۔ "ہاشم! میں سونیا کی ماں ہوں، میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ میں اس کے بغیر کیسے رہوں گی؟"

وہ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا، آخری بات پہ ہاتھ رکا۔ سخت نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تمہیں یہاں اس لیے بٹھایا ہے تاکہ ملازموں کے سامنے تماشا نہ بنے۔" (شہرین نے بے اختیار چہرہ موڑ کر دیکھا۔ دور کھڑا ڈرائیور۔ داخلی گیٹ پہ مامور سیکیورٹی اہلکار۔) "تمہارے پاس پانچ منٹ ہیں جن میں سے دو تم ضائع کر چکی ہو۔ جو کہنا ہے کہو اور چھٹے منٹ سے پہلے تمہیں میری گاڑی سے باہر ہونا چاہیے۔"

"میں نے فلائٹ آگے کروالی ہے۔ سوموار اور منگل کی درمیانی رات کو جانا ہے۔ صرف ایک مہینے کے لیے۔ پلیز سونی کو میرے ساتھ جانے دو۔"

"سونی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔ بات ختم۔" تنے ابرو اور خشک لہجے کے ساتھ اس نے کہا تو شہرین کے چہرے کی پریشانی بڑھ گئی۔

"ہاشم! ایک ہفتے سے میں نے سونی کو دیکھا تک نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تمہارے گھر ہے، میں....."

"وہ اپنے باپ کے گھر ہے اور اب یہیں رہے گی۔"

"میں اس کی ماں ہوں۔"

"یہ بات تمہیں میرے خلاف اس لڑکے کی مدد کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھی۔" تلخی سے کہتے ہاشم نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس نے ہاشم اور اپنے درمیان سیٹ کا فیبرک بے بسی سے بھینچا۔

"وہ میرا دوست ہے، وہ میرے کئی کام کر چکا ہے۔ میں صرف اس کا فیور لوٹا رہی تھی۔ وہ تمہارا دوست ہے، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ تمہارے خلاف کچھ کر رہا ہو گا، میں تو اسے کوئی ایڈونچر سمجھی تھی۔"

"ہر چیز ایڈونچر نہیں ہوتی شہری۔" درشتی سے کہتے اس نے دور کھڑے ڈرائیور کو اشارہ کیا۔

"اسے کہو جو اس نے میرا چرایا ہے، وہ واپس کر دے تو میں سونی کو تمہارے ساتھ جانے دوں گا، ورنہ نہیں۔"

"وہ تو مجھ سے بات بھی کرنے کا روادار نہیں۔ وہ...."

"تمہارے پانچ منٹ تمام ہوئے۔ اب جاؤ۔" اور

موبائل اٹھا کر بٹن دبانے لگا۔ شہرین بے بسی سے اسے دیکھتی رہی، پھر دروازے کی طرف مڑی، اسے کھولا اور ہیل والا پیر زمین پہ رکھا ہی تھا کہ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دباتا ہاشم دھیمے سے بولا۔

"اور وہ میرا دوست نہیں ہے۔ ہاشم کے دل سے جو اتر گیا، سو اتر گیا۔"

شہرین ایک پاؤں روش پہ رکھے، دروازہ پکڑے چند لمحے کو بالکل بت سی رہ گئی۔ گلے میں آنسوؤں کا گولا سا پھنسا، مگر پھر آنکھوں کی نمی اندر جذب کر کے وہ گردن اکڑا کر باہر نکلی اور دروازہ دے مارنے والے انداز میں بند کیا۔ کار زن سے آگے بڑھ گئی تو وہ مڑی۔ پتھریلی سڑک اوپر جاتی تھی۔ اور اٹھان پہ قصر کاردار تھا، پرعزم آنکھوں سے اس نے اس اونچے محل کو دیکھا اور قدم قدم اوپر چڑھنے لگی۔ اس گھر میں ابھی ایک اور شخص تھا جو اس کی مدد کر سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼
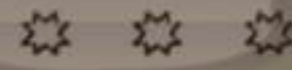
نہ گنواؤ ناوک نیم کش، دل ریزہ ریزہ گنوا دیا
جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو، تن داغ داغ لٹا دیا

یوسف صاحب کے بنگلے میں وہ صبح پہلے سے زیادہ مصروف طلوع ہوئی تھی۔ لاؤنج میں بڑے ابا وہیل چیئر پہ بیٹھے، بار بار فکر مند نگاہ اٹھا کر زمر کے کمرے کی سمت دیکھتے تھے جہاں سے آوازیں آ رہی تھیں۔ فجر کے ساتھ ہی یہ ہلچل شروع ہو چکی تھی اور اب تک جاری تھی۔

"صداقت، یہ باکس پکڑاؤ۔" "صداقت، یہ کتابیں اس کارٹن میں ڈالو۔" "صداقت، یہ گیرج میں رکھ آؤ۔" ساتھ میں زمر کی ہدایات بھی سنائی دے رہی تھیں۔ بڑے ابا خاموشی مگر بے چینی سے راہداری پہ نگاہیں مرکوز کیے بیٹھے اس دوسرے جوتے کا انتظار کر رہے تھے، جو زمر نہیں پھینک رہی تھی۔

دفعتاً وہ آتی دکھائی دی۔ رف کپڑوں میں ملبوس، بالوں کا جوڑا بنائے، دونوں ہاتھوں میں خاکی کارٹن پکڑے اس نے لاؤنج کے فرش پہ کارٹن دھرا اور صوفے پہ بیٹھ گئی۔

"صداقت۔" کارٹن کا چار ٹکڑوں والا ڈھکن بند کرتے اس نے آواز دی۔ وہ بھاگا آیا۔ ساتھ ہی ڈکٹ ٹیپ اور قینچی اسے تھمائی۔

"اس میں میرے اہم ڈاکومنٹس ہیں، جب فارس صاحب کے گھر جاؤ تو ان کو میرے دوسرے سامان کے اوپر رکھنا، کسی چیز کے نیچے نہ دے دینا۔" ٹیپ سے ڈھکن کو سیل کرتے وہ سادگی سے ہدایات دے رہی تھی۔

"جی باجی۔" وہ تابع داری سے سر ہلا رہا تھا۔ جب کارٹن بند ہو گیا تو اسے اٹھا کر گیرج میں رکھنے چلا گیا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں واپس جانے لگی کہ ابھی اور بہت کام رہتا تھا۔

"تم یہ کن کاموں میں لگی ہو؟" وہ اکتا چکے تھے۔

زمر گہری سانس لے کر ان کی طرف مڑی۔ "آپ نے خود ہی کہا کہ سنڈے کو میری شادی ہے، تو اپنا سامان پیک کر رہی ہوں۔"

"کیا تمہیں برا لگا ہے؟ اگر کوئی اعتراض ہے تو بتاؤ میں....."

"ابا! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ پریشان مت ہوں۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے جلد شادی سے کوئی مسئلہ نہیں۔ مجھے بس آپ کی فکر ہے۔"

"میں سعدی کے گھر چلا جاؤں گا، یہ گھر مہینے کے آخر تک خالی کر دوں گا۔"

"اور سب کچھ سمیٹنا تو مجھے ہی ہے نا۔" نرمی سے مسکرا کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تم نے اپنے کپڑے نہیں لیے۔" ان کی پریشانی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

"بھابھی نے کہا تھا، وہ شام کو آئیں گی اور ہم اکٹھے جا کر لے لیں گے۔" وہ نرم آنکھوں سے مسکراتی رسان سے بتا رہی تھی۔ بڑے ابا نے متفکر نظروں سے اس کا چہرہ کھوجا۔

"مگر تم اس جلد شادی سے خوش تو ہو نا؟"

"ابا! جو بعد میں ہونا ہی ہے، تو اسے ابھی کر لینا

چاہیے۔ مجھے کوئی پرابلم نہیں۔ اچھا میں اب اپنے کپڑے پیک کرلوں۔" ان کی تسلی کر کے وہ آستین فولڈ کرتی راہداری میں آگے چلتی گئی۔ ابا نے بس سرہلا دیا۔

وہ کمرے میں آئی اور کھلے سوٹ کیس کو دیکھا جس کے ساتھ ہینگرز میں ٹنگے کپڑے پڑے تھے۔ اس نے ان کو ہینگرز سے اتار کر تہہ کرنا شروع کیا۔ تبھی راہداری میں قدموں کی آواز آئی۔

"صداقت! یہ جو شاپرز ہیں' ان کو...." مصروف انداز میں کہتے ہوئے اس نے سر اٹھایا تو یکدم منجمد ہو گئی۔

چوکھٹ میں صداقت کھڑا تھا۔ سر جھکا تھا۔ ذرا شرماتا' ذرا ہچکچاتا۔ دونوں ہاتھوں میں خاکی لفافے میں لپٹا ہوا کچھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔

"باجی....! وہ جو میری چاچی آئی تھی نا اس دن گاؤں سے؟ کل وہ پھر آئی تھی۔ اس کو بتایا تھا کہ باجی کی شادی ہونے والی ہے۔ یہ وہ گاؤں سے لائی تھی آپ کے لیے۔" وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور خاکی لفافے میں لپٹی شے بڑھائی۔

"یہ...." زمر نے اسے تھاما اور لفافہ ہٹا کر دیکھا۔ اندر شیشوں اور کڑھائی والی شال تھی۔

"ہمارے ہاں جی بیٹیوں کو شادی پہ یہ ضرور دی جاتی ہے۔ تو میں نے چاچی سے کہا کہ ایک باجی کے لیے بھی لے آئے۔" انگلیاں موڑ کر' سر جھکائے' شرما شرما کر صداقت کہہ رہا تھا اور زمر بس ہاتھ میں پکڑی شال کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ بہت خوب صورت ہے صداقت۔" وہ بمشکل پھیکا سا مسکرائی۔ "چاچی کو شکریہ کہنا' مگر.... تم نے خوامخواہ اتنا خرچا کیا۔ میری شادی۔" حلق میں کوئی پھندا سا لگا۔ "کوئی عام شادیوں کی طرح تھوڑی ہے؟"

"پر باجی! شادی تو ایک ہی دفعہ ہوتی ہے' جیسے بھی ہو۔" اس نے کوئی فلسفہ گھڑنا چاہا مگر نہیں گھڑ پایا۔ سو جلدی سے شاپرز اٹھانے لگا۔

"ان کو باہر رکھ آتا ہوں جی۔" وہ چلا گیا اور زمر کھڑی اس شال کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں کرچیاں سی چبھ رہی تھیں۔ تکلیف سی تکلیف تھی۔

پھر شال ہاتھوں میں پکڑے' وہ ایک دم باہر نکلی۔ راہداری میں وہ ٹھہری۔ ابا وہیل چیئر پہ بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"ابا! میں یہ شادی نہیں کروں گی۔ یہ اصلی شادی نہیں ہے۔ میں صرف اس کو برباد کرنا چاہتی ہوں۔" وہ اتنا ہلکا بڑبڑائی کہ خود کو بھی سنائی نہ دیا' ابا تو کافی دور تھے۔ پھر یکایک انہوں نے گردن موڑی تو دیکھا' وہ راہداری میں کھڑی' پیکٹ ہاتھوں میں پکڑے' انہیں دیکھے جا رہی ہے۔

"کوئی بات ہے زمر؟"

وہ "جی" میں سرہلاتی قریب آئی۔ ان کے بالکل مقابل آکھڑی ہوئی۔ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے' پھر بند کر لیے۔

"ابھی فارس کا فون آیا تھا۔" وہ اسے خاموش دیکھ کر خود ہی بتانے لگے۔ "اس نے کہا کہ کاردار خاندان میں سے کسی کو شادی پہ نہ بلایا جائے۔ گو کہ میں مسز کاردار کو مدعو کرنا چاہتا تھا' مگر میں نے پھر بھی فارس کی بات مان لی۔ وہ سمجھ دار ہے۔ کچھ سوچ کر کہہ رہا ہو گا۔"

"آپ نے وجہ نہیں پوچھی؟" زمر کے چہرے کی فکرمندی اور بے چینی اب قدرے ٹھنڈے تاثرات میں ڈھلنے لگی تھی۔

"کوئی بھی وجہ ہو' مجھے فارس پہ بھروسا ہے۔ وہ غلط فیصلہ کر کے مجھے مایوس نہیں کرے گا۔ تم کچھ کہہ رہی تھیں؟" انہیں دوبارہ خیال آیا کہ وہ ادھر کیوں آکھڑی ہوئی۔ زمر نے گہری سانس لی۔

"جی۔ میں یہ دکھانے آئی تھی۔ دیکھیں صداقت کیا لایا ہے میرے لیے۔" ٹھنڈے' نرم انداز میں کہتی وہ پیکٹ کھول کر ان کو دکھانے لگی۔

صداقت اندر آیا تو وہ دونوں شال کھول کر دیکھتے اس پہ تبصرہ کر رہے تھے۔ وہ شرما کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

کوئی تعویذ ہو ردِبلا کا
میرے پیچھے محبت پڑ گئی ہے

شہرین چیونگم چباتی، آنکھوں پہ ڈارک گلاسز لگائے، گردن اکڑا کر چلتی قصر کاردار میں داخل ہوئی تو سامنے لاؤنج کی اونچی کرسی پہ جواہرات کو بیٹھے دیکھا جو ملکہ کی شان سے براجمان گھٹنوں پہ رکھا اخبار کھولے دیکھ رہی تھی۔ آہٹ پہ نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ سامنے شہرین کھڑی تھی۔

''گڈ مارننگ مسز کاردار۔ سونی کہاں ہے؟'' سن گلاسز اونچے کر کے بالوں پہ چڑھاتے اس نے ادھر ادھر دیکھتے پوچھا۔ یہ سعدی کو کیپ ٹاپ کا پاس ورڈ دینے کے بعد پہلی دفعہ تھا جب وہ اس گھر میں داخل ہوئی تھی، اور اسی لیے جواہرات سے نگاہیں ملانے سے احتراز کر رہی تھی۔

''اپنے کمرے میں اور یقیناً'' تم اس بات سے واقف ہو گی کہ سونی کو یہاں سے لے کر نہیں جا سکتیں۔'' وہ پھر سے اخبار پڑھنے لگ گئی۔

شہرین نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھتے جیسے بہت ضبط کیا۔

''بالکل۔'' ہلکے سے کندھے اچکائے اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ ہیل کی ٹک ٹک ہر زینے کے ساتھ اوپر چلتی گئی۔ جواہرات مسکراتے ہوئے اخبار پڑھتی رہی۔

اوپر ریلنگ کے ساتھ کھڑی شہرین نے نیچے دیکھا۔ ذرا سا مسکرائی اور بھرپور اعتماد کے ساتھ نوشیرواں کے کمرے کے بند دروازے پہ مٹھی سے دستک دی۔ نگاہیں نیچے بیٹھی جواہرات پہ مرکوز تھیں جس نے یقیناً'' دستک کے محل وقوع کا اندازہ کر لیا تھا مگر کوئی رد عمل نہیں دکھایا۔

''شیرو۔ دروازہ کھولو۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' تیسری دستک کے بعد اس نے پکارا۔ تب ہی دروازہ کھل گیا۔ سامنے نوشیرواں کھڑا تھا۔ ٹراؤزر اور شرٹ میں، بال اڑے اڑے سے تھے۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ نیند سے جاگا تھا اور شہری کو دیکھ کر پورا جاگ گیا تھا۔

وہ کچھ کہے بنا اندر چلی آئی، گردن گھما کر کمرے کا جائزہ لیا اور پھر آرام سے ایک کاؤچ پہ بیٹھ گئی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، پیر جھلاتے ہوئے شیرو کو دیکھا۔

''فریش ہو کر آجاؤ۔ ہمیں بات کرنی ہے۔'' انداز نرم مگر تحکم سے بھرپور تھا۔ وہ جز بز سا اسے دیکھتا باتھ روم کی طرف چلا گیا۔

''سونیا والے معاملے میں، میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا۔ آپ کو مجھ سے امید نہیں رکھنی چاہیے۔'' چند منٹ بعد، اس کے سامنے بیڈ کے کنارے پہ بیٹھا دھلے دھلائے چہرے والا شیرو تنے ابرو کے ساتھ قدرے خشکی سے کہہ رہا تھا، البتہ لہجے کی خشکی زبردستی تھی۔ بار بار وہ نرمی میں ڈھلنے لگتی، اور وہ اسے پھر سے غصے اور ناگواری میں لپیٹتا۔ گاہے بگاہے نگاہیں اٹھا کر شہرین کے خوب صورت سنہرے چہرے کو بھی دیکھ لیتا۔ وہ اسی اعتماد اور اطمینان کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

''ناراض تو مجھے تم سے ہونا چاہیے، مگر تم مجھ سے کیوں خفا ہو؟''

''جو آپ نے سعدی کے ساتھ مل کر کیا، اسے ابھی چند دن ہی ہوئے ہیں۔'' اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہتے وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

''تم اس قسم کے انسان تو نہیں تھے شیرو! کہ شہری کی کوئی بات ہی نہ سنو۔ میں ہاشم کو اصل وجہ نہ بتاؤں، مگر تمہیں اتنا تو معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے پوچھنے پہ میں ضرور بتاتی۔''

''اصل وجہ؟'' شیرو نے چونک کر اسے دیکھا۔ شہرین کی آنکھوں میں افسوس اترا۔

''تو کیا تم نے ایک دفعہ بھی نہیں سوچا کہ تمہاری طرح میں بھی استعمال کی جا سکتی ہوں؟ میں بھی یہ کرنے پہ مجبور ہو سکتی ہوں۔ مجھے تمہاری خود غرضی پہ افسوس ہو رہا ہے۔'' اور پھر ایک دم وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جب تم نے میری مجبوری سمجھی ہی نہیں، تو میرے بتانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ تم نے تو مجھے سخت مایوس کیا ہے شیرو۔" اور وہ تاسف سے کہتی دروازے کی طرف بڑھی۔

نوشیرواں ہڑبڑا کر اٹھا۔ "نہیں، پلیز۔ آپ جائیں مت۔ مجھے بتائیں تو سہی کہ اصل بات کیا ہے؟" ساری اکڑ، ناراضی، غصہ اڑنچھو ہو گیا۔ اور وہ ایک دم پریشان ہو گیا تھا۔ وہ اس کی طرف گھومی۔ سخت نظروں سے اس کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"میں کیوں بتاؤں تمہیں؟ تم کون سا میرا یقین کرو گے؟ تم بھی سعدی کی طرح مجھے ذلیل ہی کرو گے۔" خفگی سے کہتی وہ خود ہی بیٹھ گئی۔ اب کے نوشیرواں اس کے سامنے بیٹھا تو ذرا متفکر ہو کر بیٹھا تھا۔

"سعدی نے آپ کو...؟" الجھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"میں نے اس دن سعدی کو اپنا دوست کہا، جب تم اور ہاشم سونی کو ڈراپ کرنے آئے تھے۔ غلط کہا تھا میں نے۔ اس لیے تاکہ اسے اصل بات نہ بتانی پڑے۔" کہتے ہوئے اس نے گہری سانس خارج کی۔ ٹھوڑی تک آتے بالوں کی چونچ نما لٹ انگلی سے پیچھے ہٹائی۔ وہ اچنبھے مگر توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"سعدی میرا دوست نہیں ہے۔ تم مجھے جانتے ہو، میں اور تم ایسے لڑکے کو کیسے اپنا دوست بنا سکتے ہیں؟" اس نے کہتے ناگواری سے ناک سے مکھی اڑائی۔

"اس کے پاس میری ایک ویڈیو تھی۔ ایک پارٹی کی ویڈیو، اب تفصیل مت پوچھنا، بس وہ ویڈیو مجھے اسکینڈلائز کر سکتی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ ویڈیو اس کلب کے سسٹم سے مٹا دو، مگر وہ اتنی آسانی سے مٹانے والا نہیں تھا۔ مجھ سے پانچ لاکھ لیے اس کام کے اور اس کے بدلے میں ایک فیور مانگوں گا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ بدلے میں مجھے تمہیں استعمال کرنے کو کہے گا۔ اونہوں۔" نفی میں سر ہلاتے اس نے آنکھیں بند کر کے ماتھے پہ انگلیاں رکھیں۔

نوشیرواں بالکل سانس روکے سن رہا تھا۔ دم بخود۔

"میں تو اس سے ملتی بھی نہیں تھی مجھے مال میں جا لیا اس نے۔ سونی کی پارٹی کی صبح اور بولا کہ یہ کام کر دوں میں نے انکار کیا تو اس نے کہا کیا میں نے بھی ایسے ہی انکار کیا تھا آپ کو کام کرتے وقت؟ یہ ایک دھمکی تھی اگر میں انکار کروں گی تو میری ویڈیو لیک کر کے میرا اسکینڈل بنوائے گا۔ اس کے بعد سونی کو ہاشم میرے سائے سے بھی دور کر دے گا۔ میں تم لوگوں سے کبھی نہیں مل سکوں گی۔" شیرو کے چہرے کو دیکھتی وہ دل گرفتی سے کہہ رہی تھی۔ لفظ "تم لوگوں" پہ نوشیرواں کی آنکھوں کی حیرت، برہمی میں بدلنے لگی۔ اس برہمی میں سعدی کے لیے نفرت اور شیری کے لیے ہمدردی تھی۔

"وہ آپ کو بلیک میل کر رہا تھا؟ تو مجھے یا ہاشم بھائی کو کیوں نہیں بتایا؟" حسب عادت وہ بھڑک کر آگے ہوا، گویا اٹھنے کو تیار ہو۔ شہرین نے گڑبڑا کر دروازے کو دیکھا جس کے پار، نیچے جواہرات اخبار پڑھ رہی تھی۔ اسے لمحے بھر کو ڈر لگا کہ یہ گھامڑ اگر دندناتا ہوا باہر نکل گیا، تو ساری کہانی گئی فلاپ۔

"ہاشم میرا کچھ نہیں لگتا، شیرو۔" اس نے بظاہر بہت ضبط سے کہا مگر بڑی بڑی سبز لینز لگی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "ہاشم میرا شوہر نہیں ہے۔ ایسے لڑکوں سے صرف آپ کے شوہر پروٹیکٹ کرتے ہیں آپ کو، اور میرا کوئی شوہر نہیں ہے۔ میں..." سینے پہ انگلی رکھ کر بھرائی آواز میں بولی۔ "میں اکیلی ہوں، بالکل اکیلی۔" سانس ناک کے ذریعے اندر کھینچا، انگلی سے آنکھ کا کنارہ صاف کیا۔ "مجھے ٹشو لا دو۔ میں پتا نہیں کیوں ایموشنل ہو رہی ہوں۔" گیلی آواز سے ہنسنے کی ناکام کوشش کرتے اس نے چہرہ پرے پھیر لیا گویا آنسو چھپانا چاہ رہی ہو۔

نوشیرواں فوراً اٹھا اور بیڈ سائیڈ ٹیبل سے ٹشو کا باکس اٹھا کر اس کے سامنے کیا۔

"آپ..." اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

"تھینک یو۔" اس نے آنکھیں تھپتھپا کر صاف کیں اور چہرہ اس کی طرف پھیر کر مسکرائی۔ "میں تم

سے ہمدردی لینے نہیں آئی تھی، نہ اس لیے آئی ہوں کہ تم ہاشم سے سونیا کے لیے بات کرو۔ بلکہ میں تو کہوں گی کہ تم اس سے کوئی بات نہ کرو۔ میں تمہیں مزید تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ بس تم میری طرف سے دل صاف کرلو۔"

وہ اٹھ گئی، پرس کی لمبی زنجیر کندھے پہ ڈالی، ہلکا سا نوشیرواں کے کندھے کو تھپتھپایا اور باہر نکل گئی۔ وہ بالکل گم صم سا بیٹھا رہ گیا۔

سونی کے کمرے کی طرف جاتے وہ ریلنگ پہ رکی، چہرہ جھکا کر نیچے جھانکا۔ جواہرات اب ادھر نہیں تھی۔ وہ مسکرائی اور پورے کروفر اور اٹھی گردن کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼
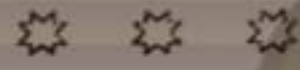
قاتل سے عشق بھی، مقتول سے ہمدردی بھی
تو بھلا کس سے محبت کی جزا مانگے گا

ہاشم کاردار کے آفس میں اے سی کی خنکی اور ٹھنڈ پھیلی تھی اور وہ کوٹ میں ملبوس، باور سیٹ پہ براجمان، موبائل کان سے لگائے، سامنے رکھی فائل کے صفحے پلٹتے کہہ رہا تھا۔

"بڑے ہو جاؤ شیرو۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے، بکواس کر رہی ہے۔" اکتا کر اس نے شیرو کی کہانی درمیان سے کاٹی۔ "وہ اس کی ٹانگ جتنا لڑکا اسے بلیک میل کرے گا؟ پانچ سال گزارے ہیں میں نے اس عورت کے ساتھ، یہی گئی ہو گی اپنے مسئلے اس کے پاس لے کر۔"

"مگر بھائی! وہ سعدی ہے ہی..." نوشیرواں جس کی شہرین کے لیے نرم آواز سعدی کے نام پہ برہمی سے کانپنے لگتی نے، مزید کچھ کہنا چاہا مگر ہاشم مصروف تھا اور بےزار بھی۔

"سعدی کو میں سنبھال لوں گا، تم بس شہری سے دور رہو۔"

"مگر آپ سونیا کو..."

"وہ تمہیں دوسری دفعہ بےوقوف بنا رہی ہے شیرو!

پہلی دفعہ اس پہ لعنت، دوسری دفعہ تم پہ۔" لہجے میں بےزاری اور غصہ در آنے لگا۔ "اور اب تم اگلے آدھے گھنٹے میں مجھے آفس میں نظر آؤ۔" موبائل بند کر کے میز پہ ڈالا، اور خفگی سے منہ میں کچھ بڑبڑاتے قلم دان سے قلم نکال کر کاغذات پہ دستخط کرنے لگا۔ کام ختم کر کے فائل بند کی اور انٹرکام اٹھایا۔

"حلیمہ، خاور آفس میں ہے؟"

"جی، وہ شاید نچلے فلور پہ ہیں۔"

"اسے میرے پاس بھیجو..." ریسیور رکھتے رکھتے وہ رکا۔ "وہ اس لڑکے، سعدی یوسف کا کوئی فون آیا؟"

"سر! میں نے دو دن پہلے دوبارہ ان کو کال کی تھی، انہوں نے کہا کہ اگلے ہفتے آئیں گے وہ۔ دن نہیں بتایا۔ میں ان کو کال کروں؟"

"اونہوں۔ وہ خود کرے گا۔ بہرحال، جب کہے وقت اور دن مت دیکھنا، اسے آنے کا کہہ دینا۔" ریسیور رکھ کر اس نے ٹیک لگائی اور کچھ سوچتے ہوئے اوپر چھت کو دیکھنے لگا۔

خاور اندر داخل ہوا تو وہ سیدھا ہوا۔ سنجیدہ، ٹھنڈے تاثرات سے اسے دیکھا۔ وہ سیاہ کوٹ اور پینٹ میں ملبوس اونچا لمبا سا تھا۔ ٹائی نہیں باندھتا تھا۔ بال اور مونچھیں دونوں سیاہ تھیں۔ رنگت سانولی اور نقش متناسب تھے۔ ہاتھ باندھے، سنجیدگی سے چلتا وہ سامنے آیا۔

"وہ ملا جو میں نے تلاش کرنے کے لیے کہا تھا؟"

خاور کی آنکھوں میں مایوسی در آئی، نفی میں گردن ہلائی۔

"نو سر! ابھی تک تو اس لڑکے کے بارے میں کوئی dirt نہیں ملا۔"

ہاشم قدرے برہمی سے آگے کو ہوا۔ "تو تم اتنے دنوں سے کیا کر رہے ہو؟ وہ کچھ دن بعد میرے سامنے ادھر کھڑا ہو گا، اور اگر میرے پاس کوئی لیورج ہی نہیں ہو گا اس کے خلاف تو میں اسے کیسے سنبھالوں گا؟"

"سر! میں نے پوری کوشش کی، مگر وہ ہر طرح سے صاف ہے۔ اپنے خاندان کا وہ فیورٹ ہے تو دوستوں کا

آئیڈیل۔ کسی کو کوئی کام ہو تو سعدی ہے نا۔" وہ ناگواری سے کہہ رہا تھا۔ "محلے کا چوکیدار رکھنا ہو' یا گلی میں اسپیڈ بریکر بنوانا ہو' ہمسایوں کے لڑکے فوراً" اسی کے پاس جاتے ہیں' بہترین اسٹوڈنٹ اور جاب پہ ایک ایمان دار اور محنتی ایمپلائی۔ اس کا کوئی ڈرٹی سیکرٹ نہیں ملا مجھے۔ وہ لڑکا گویا فرشتہ ہے۔"

ہاشم ہلکا سا مسکرایا۔ سرد تلخ سی مسکراہٹ۔ نفی میں سرہلایا اور میز پہ رکھا پین انگلیوں میں گھماتے بولا۔ "میں تمہیں بتاؤں خاور! کوئی بھی فرشتہ نہیں ہوتا۔ سب کے راز ہوتے ہیں۔ تم نے درست جگہ نہیں دیکھا ہوگا۔"

خاور ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ آنکھیں سکیڑے کچھ سوچا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ایک جگہ میں نے واقعی نہیں دیکھا۔" پھر سوچتے سوچتے اثبات میں سر ہلایا۔ "بالکل' وہ فرشتہ نہیں ہے۔ مجھے ایک دن دیں' اس کی انسانیت دکھاتا ہوں آپ کو۔" ہاشم نے مسکرا کر اثبات میں سرہلایا' اور خاور عجلت میں باہر نکل گیا۔

ہاشم نے گہری سانس لے کر خود کو بہتر محسوس کیا' پھر موبائل اٹھایا اور زمر کا نمبر ملا کر کان سے لگایا۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے' وہ اب لبوں میں کوئی دھن گنگناتے چھت کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆
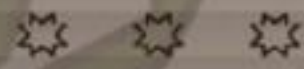
میں تو اس واسطے چپ ہوں کہ تماشا نہ بنے
تو سمجھتا ہے مجھے تجھ سے گلہ کچھ بھی نہیں

مال میں دوپہر کی نسبت رش تھا۔ مطمئن' خوش باش' مصروف لوگ اوپر نیچے' آگے پیچھے آجا رہے تھے۔ ایسے میں دکانوں کی قطار کے سامنے راہداری میں حنین اور سیم بھی چل رہے تھے۔ ایک دکان کے سامنے وہ رکے' حنہ سیم کی جانب گھومی' شرارتی چمک دار آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"اے موٹے آلو! ونڈو شاپنگ کے دو اصول یاد ہیں؟"

گھنگھریالے بالوں والے دبلے پتلے اور لمبے لڑکے نے جھٹ اثبات میں سرہلایا۔ "بالکل' تم ہر چیز مجھے دکھا دکھا کر کہو گی' سیم یہ لے لو' اور میں بگڑے بچوں کی طرح' نہیں نہیں' کرتا آگے بڑھ جاؤں گا۔"

"گڈ!" وہ مسکرائی' پھر اس کی کہنی میں بازو ڈالے شاپ میں داخل ہوئی۔ قدم بہ قدم دونوں ریکس کی جانب آئے۔ حنین نے مختلف کیپس وسیم کو دکھانی شروع کیں۔ "وسیم' بچے' دیکھو' یہ آپ پہ کتنی پیاری لگے گی۔"

وہ بگڑے انداز میں نفی میں سرہلاتے بولا۔ "نہیں ماما! مجھے یہ نہیں چاہیے۔"

"ماما؟" اس نے تلملا کر ادھر ادھر دیکھا۔ سب سیلز مین انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔

"سیم جان!" وہ جبراً" مسکرا کر پیار سے بولی۔ "بی ہیو یور سیلف' ورنہ ابھی آپ کے پاپا کو شکایت لگاتی ہوں۔"

"مگر ماما! پاپا تو کئی سال سے اوپر ہیں' اکاؤنٹنگ میں۔ (حساب کتاب میں)"

وہ معصومیت سے پلکیں جھپکا جھپکا کر بولا اور اس سے پہلے کہ وہ سارے تخیل پہ لعنت بھیج کر اس کا کان مروڑتی' ہینڈ بیگ میں رکھا موبائل بج اٹھا۔

وہ جلدی سے موبائل نکالتی شاپ سے باہر آئی۔ سیم بھی پیچھے لپکا۔

"کیا امی اور پھپھو نے شاپنگ کرلی؟ کیا وہ بلا رہی ہیں؟" حنہ موبائل نکال کر دیکھ رہی تھی اور سیم سوال کر رہا تھا۔ یہ زمر کا موبائل تھا جو ابھی کچھ دیر پہلے اس نے حنہ کو اس لیے دیا تھا کیونکہ وہ اور ندرت بالائی فلور پہ نکاح کا جوڑا خرید رہی تھیں اور سیم اور حنین ٹک کر نہیں بیٹھ سکتے تھے' ایسے میں ان کو "آزاد" کرنے سے قبل زمر نے اپنا فون حنہ کو دے دیا کہ جب فارغ ہو تو ندرت کے فون پہ بتا دے۔ اب بھی سیم یہی پوچھ رہا تھا مگر حنین بالکل چپ سی ہو کر بجتے فون کی اسکرین دیکھ رہی تھی۔

"ہاشم کاردار کالنگ۔" فون پکڑے ہاتھوں پہ پسینہ

آنے لگا' دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"اٹھانا مت' حنہ! پھپھو کا فون ہے۔" سیم نے تنبیہہ کی مگر جسے دنیا کا بدترین مرض لاحق ہو جائے' وہ اور کیا کرے؟ اس نے انگوٹھے سے سبز دائرے کو سلائیڈ کر کے موبائل کان سے لگایا۔

"ہیلو؟"

"ہیلو۔۔۔ زمر؟" وہ ذرا اٹھ کا تھا۔

"نہیں میں حنین۔" دھڑکتے دل اور بے قابو ہوتی خوشی سے وہ جلدی جلدی بتانے لگی۔ "اصل میں ہم مال میں ہیں' پھپھو اور امی دور ہیں' سو ان کا فون میرے پاس ہے۔"

"او کے۔ کیسی ہو تم حنین؟" وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔

"میں بالکل ٹھیک۔ آپ کیسے ہیں؟" وہ بھی اعتماد سے مسکرا کر بولی۔ ایسے میں وہ سیم کی طرف متوجہ نہیں تھی جو خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں ہمیشہ کی طرح بہت اچھا ہوں۔" اس کے انداز پہ وہ ہلکا سا ہنس دی۔

"تمہارا رزلٹ کب ہے؟" اگلے سوال پہ حنہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی' فوراً" سیم کو دیکھا جو بے زار سا کھڑا تھا۔

"اگست میں۔ اور۔۔۔" وہ رک گئی' تھوک نگلا۔ سارے لمحات پھر سے آنکھوں میں تازہ ہوئے۔ امتحانی مرکز میں ہاشم کو بلانا' پھر وہ سیاہ اور سنہری پارٹی۔

"ڈونٹ وری' تمہارا رزلٹ بہت اچھا آئے گا' اتنا کچا کام تو نہیں کیا ہو گا ناہاشم نے۔" اس کے نرم تسلی دینے والے انداز پہ وہ پھیکا سا مسکرائی' مگر پرجوش اعصاب اب ڈھیلے پڑ چکے تھے اور ایفل ٹاور کی روشنیاں بھی ماند پڑنے لگیں۔

"میں پھپھو کو جا کر بتاتی ہوں' وہ آپ کو کال بیک کریں گی۔"

"وہ کال بیک نہیں کریں گی۔ میں دس منٹ میں دوبارہ کال کرتا ہوں۔" اور فون بند ہو گیا۔

"کیا کہہ رہے تھے؟"

"مجھے خود نہیں پتا کہ وہ کیا اور کیوں کہہ رہے تھے۔" خود سے الجھتی وہ آگے بڑھ گئی۔

جب وہ اس آؤٹ لٹ پہ آئے جہاں زمر اور امی تھیں تو دس منٹ بیت چکے تھے۔ وہ دونوں کاؤنٹر پہ کھڑی تھیں۔ ندرت سادگی سے سر پہ دوپٹہ لیے کھڑی' شاپنگ بیگ میں موجود جوڑے کو چیک کر رہی تھیں۔ کامدار جوڑے کا رنگ آف وائٹ تھا' ذرا سی جھلک سے حنین کو اندازہ ہوا۔ پھر وہ زمر کی طرف آئی' جو بال آدھے کیچر میں باندھے' سر جھکائے' سوٹ کی رسید پرس میں رکھ رہی تھی۔ اس کے "پھپھو" کہنے پہ سر اٹھایا۔ وہ حنین سے دراز قد تھی' دو انچ دراز۔ اور زیادہ جاذب نظر بھی۔ بھوری آنکھوں سے حنہ کو دیکھا اور نرمی سے مسکرائی۔

وہ جب ایسے مسکراتی تھی تو حنین گزرے برسوں کی ساری تلخی اور ناراضی بھولنے لگتی۔

"ہاشم بھائی کا فون آرہا ہے۔" دوبارہ بجتے سیل کو اس کی طرف بڑھایا۔ زمر نے موبائل سامنے کر کے دیکھا' پھر گہری سانس لے کر کان سے لگایا۔

"جی ہاشم' کہیے۔" مصروف سے انداز میں وہ پرس بند کرتی گویا ہوئی۔

"حنین بتا رہی تھی' آپ شاپنگ کر رہی ہیں۔ مجھے گیس کرنے دیں' کیا یہ آپ کی شادی کی شاپنگ ہے؟" وہ گویا مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ زمر نے فوراً" حنین کو دیکھا' وہ ہاشم کی بات نہیں سن سکتی تھی' مگر جلدی سے بولی۔

"میں نے کال اٹینڈ کر کے بتایا تھا کہ ہم مال میں ہیں۔" ایک دم اپنا آپ مجرم لگنے لگا۔ نظریں فوراً" جھکا دیں۔

"ہاشم! آپ نے کیسے فون کیا؟" بے تاثر' ٹھنڈے انداز میں پوچھتی وہ حنین کے ہمراہ چلتی باہر نکلی۔ ندرت اور سیم اگلی شاپ میں سیم کے کپڑوں کے لیے چلے گئے تھے۔ ندرت نے حنہ کو بھی آواز دی مگر وہ وہیں کھڑی رہی۔

"آپ کو شادی کی مبارک باد دینے۔"

"ایک منٹ!" اس نے فون کان سے ہٹائے بغیر بلند آواز میں حنین کو پکارا۔ "حنہ! اگر یہ صاحب اگلے پانچ منٹ تک فون بند نہ کریں تو تم اونچی آواز میں مجھے پکار کر کہنا کہ بھابھی مجھے بلا رہی ہیں' او کے؟ جی ہاشم! آپ کیا کہہ رہے تھے؟"

رسان سے کہتی وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ (حنہ کا تو منہ ہی کھل گیا۔)

وہ جواب میں زور سے ہنسا تھا۔

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر آپ کو اس روز وہ گولیاں میں نے ماری ہوتیں تو کیا آپ مجھ سے بھی شادی کر لیتیں؟" وہ محظوظ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔ میں آپ کو قتل کرنا پسند کرتی' مگر ہزار حصوں میں۔"

"پھر فارس کو ہزار حصوں میں کیوں نہیں مارا؟" وہ مزہ لیتے ہوئے مخاطب تھا۔ "چار سال چپ کیوں رہیں؟"

"اچھا انسان برا کرے تو خاموشی بہتر ہے' لیکن آپ جیسا' برا انسان اگر برا کرے تو خاموش نہیں رہنا چاہیے مجھے۔"

وہ جواب میں پھر سے ہنس دیا۔ زمر اور حنین ہنوز ساتھ ساتھ گیلری میں چل رہی تھیں۔ حنہ کے کان ادھر ہی لگے تھے۔

"اور اس برے انسان کو شادی پہ نہیں بلایا آپ نے؟"

"یہ سوال آپ اپنے کزن سے کریں۔ یہ فیصلے ان کے ہیں۔"

"زمر..." اب کے وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ "آپ غلطی کر رہی ہیں۔ اس سے شادی نہیں کرنی چاہیے آپ کو۔"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ہاشم!"

"آپ نے اس کو ذاتی نہیں رہنے دیا جب اسے میری ممی سے ڈسکس کیا۔"

زمر نے تکان سے گہری سانس بھری۔ "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ فارس آپ کے قابل نہیں ہے۔ اس کا جرم بھول بھی جائیں' تو اس کی اکھڑ طبیعت' غصہ' لاپروائی' وہ آپ کی ٹائپ کا آدمی نہیں ہے۔" قدرے توقف کے بعد اس نے گویا زمر کو پکارا۔ "کیا سوچ رہی ہیں؟"

"اوہ! آپ بالکل بھی نہیں جاننا چاہیں گے جو میں سوچ رہی ہوں۔"

اس کے انداز پہ حنہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ دونوں ایک شاپ کے باہر کھڑی ہو گئی تھیں' اور زمر ایک ہاتھ میں شاپنگ بیگ پکڑے' دوسرے سے موبائل کو کان سے لگائے بہت سکون سے کہہ رہی تھی۔

"مثلاً "کیا؟"

"میں یہ سوچ رہی ہوں ہاشم! کہ مسئلہ میں نہیں ہوں' مسئلہ فارس ہے۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ کو فارس کی ہر بوی چبھتی ہے۔ وہ جب بھی شادی کرے گا' آپ کو اچھا نہیں لگے گا۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ بطور ایک فرسٹ کزن' آپ کا اس سے ان کہا' لاشعوری سا مقابلہ ہے۔ موازنہ ہے۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ زرتاشہ کی شادی کے روز بھی جب آپ اسٹیج پہ آئے تھے اور میں وہاں تھی اور فارس وہاں نہیں تھا' تب آپ نے زرتاشہ سے بھی اس کے غصے اور اکھڑپن کا تذکرہ کیا تھا جس کی وجہ سے دلہن کا چہرہ بجھ گیا تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہی ہوں ہاشم! کہ آپ یہ جان بوجھ کر نہیں کرتے۔ لاشعوری طور پہ تب کرتے ہیں جب آپ کو اپنی شادی کی ناکامی یاد آتی ہے۔"

اور دوسری جانب ہاشم خاموش ہو گیا تھا۔

"ویل... آپ نے کافی سخت باتیں کہہ دیں۔" جب وہ بولا تو آواز دھیمی مگر بجھی ہوئی تھی۔

"میں معذرت نہیں کروں گی' اگر آپ میری ذاتیات میں دخل دیں گے تو پھر اپنی ذاتیات کے بارے میں بھی آپ کو سننا پڑے گا۔" نرمی سے کہہ کر اس نے ابرو اٹھا کر حنین کو دیکھا۔ وہ گڑبڑا کر اونچا سا بولی۔

"پھپھو! امی بلا رہی ہیں۔" کہہ کر خوب شرمندہ

ہوئی۔

"آپ نے سن لیا؟ مجھے جانا ہے۔" اور موبائل بند کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

"بھابھی کدھر رہ گئیں؟" عام سا انداز جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

حنین بالکل چپ رہ گئی۔ اور وہ تب تک نہیں بولی' جب تک وہ چاروں شاپنگ سمیت اوپر فوڈ کورٹ میں ایک ٹیبل پہ بیٹھ نہیں گئے۔ زمر' ندرت سے ان کے ریسٹورنٹ کے حوالے سے باتیں کرنے لگی۔ وہ ریسٹورنٹ ان دنوں بنا تھا جب زمران سے قطع تعلق کیے ہوئے تھی' مگر خون کے رشتے "صلح" کے بعد پرانی باتوں کا ذکر نہیں چھیڑا کرتے۔ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہیں۔ یہی چیز خون کو پانی سے گاڑھا بناتی ہے۔

ندرت اور سیم اٹھ گئے تاکہ سیم کے جوتے لے لیں تو حنین جوس میں اسٹرا گھماتی' نگاہیں جھکائے سرسری سا بولی۔ "ہاشم بھائی نے برا تو مانا ہو گا اتنی سخت باتوں کا۔"

"ہاشم کے برا ماننے سے کسے فرق پڑتا ہے؟" زمر نے مسکرا کر شانے اچکائے۔ پھر گردن ترچھی کر کے اسے غور سے دیکھا۔ "کسی بات پہ پریشان ہو حنہ؟"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ "نہیں.... مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں۔" چہرہ نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ ڈیڑھ سال قبل کی چیٹنگ سے اب کی چیٹنگ تک' زمر کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔

"آر یو شیور؟ اگر کوئی مسئلہ ہو تو ضرور شیئر کرنا۔" اس نے نرمی سے حنہ کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

"آپ کو ایسا کیوں لگا؟"

"کیونکہ اب تم بہت خاموش رہتی ہو۔ پہلے تم بہت بولا کرتی تھیں۔"

حنین کے ابرو بھنچ گئے۔ ایک سخت نظر اپنے ہاتھ پہ دھرے زمر کے ہاتھ پہ ڈالی اور دوسری زمر کی آنکھوں پہ۔

"میں اور آپ پھپھو! کبھی بھی ایک دوسرے سے بہت نہیں بولا کرتے تھے۔"

اپنا ہاتھ نکالا اور کرسی دھکیلتی اٹھ کر باہر کی طرف چلی گئی۔ زمر گہری سانس لے کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اور خون کی سب سے بڑی خوبی اور خامی یہی ہے کہ اگر اسے باہر کی ہوا لگ جائے تو وہ جم جاتا ہے۔ عرب کے اہل زبان اس جمنے کو عقد کہتے ہیں' مگر یہ نہیں بتاتے کہ جمے خون کو کوئی پگھلائے کیسے؟"

☼ ☼ ☼
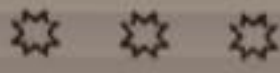
دنیا کی وسعتوں میں اسے ڈھونڈتا رہا
لیکن خدا میری ذات کے اندر ملا مجھے!

چھوٹے باغیچے والے گھر کے باہر ابھی رات کا تیسرا پہر تھا۔ گہرے جامنی آسمان پہ ستارے چمک رہے تھے۔ راہداری کے پہلے دروازے سے اندر جھانکو تو بستر پر چادر تانے سعدی سو رہا تھا۔ پھر نہ کوئی آہٹ ہوئی' نہ آواز آئی' اور وہ آہستہ سے بازو ہٹا کر اٹھا۔ نیند سے بھری آنکھوں کو مٹھی سے مسلا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر روشن کیا۔ فجر میں ابھی آدھا گھنٹہ تھا۔

وہ لبوں میں کوئی دعا پڑھتا بستر سے اترا اور باتھ روم کے دروازے کے پیچھے غائب ہو گیا۔ جب باہر نکلا تو کرتے شلوار میں ملبوس تھا' ہاتھ منہ اور پیر گیلے تھے، جب وہ راہداری میں دبے قدموں چلتا بیرونی دروازے تک آیا تو ندرت نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔ خوابیدہ آنکھیں حیرت سے سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"سعدی؟ ابھی تو اذان بھی نہیں ہوئی۔ تم جلدی کیوں اٹھ گئے؟ کیا الارم جلدی بج گیا؟"

"میں تو الارم نہیں لگاتا امی! آپ کو نہیں پتا؟" اسے جیسے معصوم سا تعجب ہوا۔

"تو پھر کیسے اٹھے ہو؟"

"میں بس اللہ تعالیٰ سے رات میں کہہ دیتا ہوں کہ مجھے صبح اس وقت جگا دیجیے گا' تو اللہ مجھے جگا دیتے ہیں۔" اور سادگی سے مسکرایا۔ "امام صاحب کی

طبیعت رات پھر خراب تھی' میں نے کہا کہ صبح میں امامت کراؤں۔ اس لیے جلدی جا رہا ہوں۔"

"اچھا خیر سے جاؤ۔" انہوں نے شاید کچھ پڑھ کر پھونکا اور پھر حنین اور سیم کے کمرے تک گئیں۔ بلند آواز میں ڈانٹنا شروع کیا۔ "کوئی شرم حیا ہے تم دونوں میں؟ اٹھو' قرآن پڑھو' نماز پڑھو۔" سعدی باہر نکل آیا تو آوازیں دم توڑ گئیں۔

کالونی کی سڑک ویران' اندھیری پڑی تھی۔ سعدی نے تازہ ہوا کو محسوس کرتے سر اٹھا کر دیکھا۔ زمین والوں کو آسمان پہ تارے جگمگاتے دکھائی دے رہے تھے' اور آسمان والوں کو زمین پہ قرآن پڑھنے والوں کے گھر چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ اندھیرے کی وہ گھڑی تھی' جس میں سب سے زیادہ نور پھیلا تھا۔

اس نے ہینڈز فری کانوں میں لگایا' قرآن پین نکالا (ایک سفید پین کی صورت کا آلہ جس کی نوک قرآن کے جس حرف پہ رکھو' وہیں سے تلاوت کی ریکارڈنگ چلنے لگتی ہے) اور سورتوں کا کارڈ نکال کر تمام سورتوں کے ناموں پہ سوچتی نظر ڈالی۔ اپنے روز کے فجر کے قرآن میں سورۃ غافر پہ تھا۔ اب اصولاً" اس سے اگلی سورۃ پڑھنی تھی' مگر وہ سوچتا رہا۔ پھر عادتاً" اپنی پسندیدہ سورۃ نمل پہ قلم کی نوک رکھ دی۔

سر اٹھا کر' ابرو اکٹھے کیے' بے بسی سے آسمان کو دیکھا۔

"او کے اللہ تعالیٰ' آئی ایم سوری' مجھے قرآن ترتیب سے پڑھنا چاہیے' مگر میں کیا کروں' مجھے یہ سورۃ بہت پسند ہے۔" پھر مسکرا کر کانوں میں ہینڈز فری پکا کرتے قدم قدم سڑک کنارے چلنے لگا۔

"اللہ تعالیٰ مجھے آج بھی یاد ہے' جب میں ابو کے ساتھ مسجد آتا تھا تو وہ مجھے چیونٹیوں کی قطار دکھایا کرتے تھے۔ تب میں سوچتا تھا' انسانوں کو کیڑے مکوڑوں سے کیوں ملایا جائے؟ مگر بہت سالوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ نمل کیڑوں مکوڑوں کی سورۃ نہیں ہے یہ "فیملی" ہے۔ خاندان کو کیسے جوڑ کر رکھنا ہے' مجھے آپ نے یہ اس سورۃ سے سکھایا ہے۔"

جانی اندھیرے میں وہ سر جھکائے' مسکرا کر سرگوشی میں بولتا جا رہا تھا۔

اوپر کالونی میں کسی گھر کی چھت پہ کوئی نو عمر لڑکی فون کان سے لگائے' آنسو بار بار پونچھتی' کسی نائٹ پیکیج کے طفیل اپنے بوائے فرینڈ سے سرگوشی میں بات کر رہی تھی۔ سامنے والے ایک اور گھر میں ایک لڑکا بستر میں لیٹا' موبائل دونوں ہاتھوں میں پکڑے' ٹک ٹک میسج کر رہا تھا اور چہرے پہ وہی مسکراہٹ تھی جو مرض عشق میں مبتلا لوگوں کے چہروں پہ اس وقت ہوا کرتی ہے۔ یہ رات کا وہ پہر تھا جب صرف محبوب کے لیے جاگا جاتا ہے۔

"اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔"

سڑک کنارے چلتے گھنگھریالے بالوں والے لڑکے کے کانوں میں لگے ہینڈز فری میں آواز گونجنے لگی۔

"طس۔ یہ آیات ہیں قرآن کی اور اس کتاب کی جو روشن ہے۔"

ہاتھ میں پکڑے پین پہ اس نے وقفہ کا بٹن دبایا۔

"اوہ اللہ۔" بے بسی بھری مسکراہٹ سے آسمان کو دیکھا' اور پھر نفی میں سر ہلاتے گردن جھکائے چلتا گیا۔ "مطلب کہ میں کبھی کبھی حیران ہو جاتا ہوں' یہ "کتاب مبین" والی بات آپ نے کتنی دفعہ بتا دی قرآن میں' پھر ہر چند سورتوں کے بعد یہی آیت کیوں لے آتے ہیں آپ اللہ؟ مجھے سوچنے دیں۔"

لب کاٹتے آنکھیں ذرا میچ کر وہ واقعی سوچنے لگا۔

"ہوں۔" چند لمحے اور سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔ "ہر دفعہ اس آیت کا مجھے نیا مطلب سمجھ میں آتا ہے۔ دیکھیں اللہ' اتنا مجھے پتا ہے کہ اگر ان الفاظ کا صرف ایک ہی مطلب ہوتا تو یہ قرآن میں بار بار نہ دہرائے جاتے۔ کتاب مبین۔ کتاب روشن یعنی۔" وہ سڑک کنارے قدم اٹھاتا' سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

"یعنی آپ مجھے یہ سمجھا رہے ہیں کہ آگے جو آیات آپ مجھے دیں گے' وہ اس کتاب کی ہیں' جس کے علاوہ مجھے دنیا میں کسی چیز سے کوئی روشنی نہیں

ملے گی۔ کہیں سکون نہیں ملے گا۔ کہیں خوشی نہیں ملے گی۔ مجھے اس کتاب کے علاوہ کوئی نہیں بتائے گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ کوئی نہیں جو انگلی پکڑ کر صحیح فیصلے کرنا سکھائے۔ میرے دل کی بات سمجھ کر اللہ کی بات اور کوئی نہیں سمجھائے گا۔"

مسکرا کر' خوش دلی سے بولتے اس کے تاثرات بدلتے گئے۔ آنکھوں میں اداسی در آئی۔ دل بھر سا آیا۔ اپنی زندگی کی پیچیدگیاں' دکھ' خطرات' سب یاد آنے لگے۔ کیا کھویا اور کیا پایا۔ جامنی صبح میں اداسیاں گھلتی گئیں۔

"یہ ہدایت ہے اور خوشخبری ہے' ان لوگوں کے لیے جو ایمان والے ہیں۔"

کانوں میں گھلتی وہ مدھر آواز کہہ رہی تھی۔ وہ سامنے ویران' اندھیر سڑک کو اداسی سے دیکھے گیا۔

"اللہ! آپ کو کیسے علم ہوتا ہے کہ اس آیات کے بعد میں افسردہ ہو جاؤں گا؟ کیسے آپ فوراً" اگلی آیت میں مرہم لے آتے ہیں؟ کیا آپ کو ہر انسان کا اتنا خیال ہوتا ہے یا میں اسپیشل ہوں؟"

افسردگی کو زبردستی دباتے وہ شرارت سے خود ہی ہنس دیا۔

"خوش خبری۔" اور گہری سانس لی۔ "تو یہ کتاب پڑھنا اس لیے ضروری ہے' کیونکہ یہ ہمیں فیصلہ کرنا سکھاتی ہے' ایسا ہی ہے نا اللہ؟ آپ نے ان آیات کے ذریعے مجھے سکھایا کہ برے دنوں میں انسان کیسے وہ "آنکھ" رکھے جو اسے وہ دکھائے جو ابھی پاس نہیں ہے' مگر کبھی تو ملے گا۔ کبھی تو ہم بھی وہ دن دیکھیں گے نا اللہ جس کا وعدہ ہے۔ مگر اللہ۔ کیا یہ خوش خبری میرے لیے بھی ہے؟ آپ نے کہا' یہ ایمان والوں کے لیے ہے۔ مگر۔ مجھے خود بھی نہیں پتا کہ میں مومن ہوں یا نہیں؟ اگر خود کو مومن سمجھوں تو خود پسندی ہے "عجب" ہے خود کو منافق سمجھوں تو یہ مایوسی ہے۔ مجھے کیسے پتا چلے گا کہ میں مومن ہوں؟"

اداسی بڑھنے لگی۔ ارد گرد بھیگتی جامنی رات میں تنہائی بھرا ملال سا چھا رہا تھا۔ دل کی ساری ویرانیاں اس اندھیرے میں رچ بسنے لگیں۔

"ہدایت اور خوش خبری ہے مومنوں کے لیے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔" وہ ایک دم بالکل رک کر سننے لگا۔ "جو اپنی نمازوں کو قائم کرتے ہیں۔"

اور دل پر سے کوئی سل سی ہٹنے لگی۔

"او اللہ۔ یعنی کہ اگر مجھے قرآن کی خوش خبریوں کی امید رکھنی ہے تو میں کبھی نماز نہیں چھوڑ سکتا۔ جس وقت کی چھوڑوں گا' اس وقت آپ مجھے چھوڑ دیں گے۔ آپ چاہتے ہیں ہم سب نماز پڑھیں' مگر نہیں' نماز صرف "پڑھنے" سے افاقہ نہیں ہوتا۔ نماز قائم رکھنا اصل چیز ہے۔ ہر نماز اپنے وقت پر اور تمام ارکان کے ساتھ پڑھنا۔ میں نماز نہیں چھوڑتا' مگر جس دن یہ سوچوں کہ نہیں چھوڑتا' اس دن ہی کوئی نہ کوئی قضا ہو جاتی ہے۔ میرے۔ بہن بھائی نماز نہیں پڑھتے۔ مجھے صرف یہی بات تکلیف دیتی ہے کہ اگر قیامت کے دن آپ نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تم اکیلے مسجد کیوں آتے ہو؟ تمہارے۔ بہن بھائی کیوں نہیں؟ وہ اس وقت سو رہے ہوتے ہیں' تو میں کیا جواب دوں گا؟"

وزن بڑھتا جا رہا تھا۔ دکھ' بے بسی' فکر مندی نے اس دم توڑتی رات کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

کانوں میں تلاوت وہیں سے جاری تھی۔

"اور وہ جو اپنی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ جو آخرت پہ یقین رکھتے ہیں۔"

"تھینک یو اللہ!" اس نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا اور خود سے بولا۔ "میں یہ تینوں کام کرتا ہوں' مگر مجھے پھر بھی اپنے اچھے ہونے کا کوئی یقین نہیں۔ شاید یہی بہتر ہوتا ہے جب تک ہمارے گناہوں کا گلٹ ہمارے ساتھ ہے' ہم کم از کم توبہ تو کرتے رہتے ہیں' اپنی عبادتوں پہ غرور تو نہیں آتا۔ پھر بھی' مجھ سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ پتا نہیں یہ آس پاس کے لوگ میری نمازیں دیکھ کر' میرے منہ سے قرآن کی باتیں سن کر مجھے اتنا نیک کیوں سمجھتے ہیں؟" وہ اداسی سے بتا رہا تھا۔

"اللہ جب لوگ مجھے نیک کہتے ہیں تو مجھے بہت گلٹ ہوتا ہے۔ لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ ہر نیک

سے نیک آدمی بھی دن میں دس ہزار دفعہ خود کو گناہ کرنے سے روکتا ہے' اور کئی دفعہ نہیں بھی روک پاتا۔ کتنا مزا آتا' ایمان ایک ہی دفعہ خرید لو' اور پھر ساری عمر کی گارنٹی۔ یہ روز روز اپنے آپ سے جنگ' گلٹ' توبہ کا سائیکل تو نہ ہوتا۔ آپ نے زندگی اتنی پیچیدہ کیوں بنائی؟"

نگاہیں اٹھا کر شکوہ کیا۔ دور صبح کی چڑیاں بولنے لگیں۔ ان کی اپنی تسبیح تھی۔ ہر ایک کی تسبیح مختلف ہوتی ہے۔

"ہاں مگر اللہ مجھے اتنا یقین ہے کہ ایک دن زندگی اپنی ساری ناتمام خواہشات اور تکالیف کے ساتھ ختم ہو جائے گی' سب دکھ مر جائیں گے اور وہ بڑا دن آئے گا۔ جب ہم اور آپ مقابل کھڑے ہوں گے اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ نماز کے بغیر' اور اپنا مال اور ٹیلنٹ لوگوں پہ خرچ کیے بغیر' میں یہ کہوں کہ مجھے آخرت پہ یقین ہے تو جھوٹ ہو گا۔ علم الیقین تو سب کو ہوتا ہے۔ مگر مجھے یہ کام کرتے رہنا ہوں گے۔ آپ کو یقین دلانے کے لیے۔ خود کو یقین دلانے کے لیے۔"

وہ سر جھکائے' گہری سوچ میں ڈوبا بولتا چلا جا رہا تھا۔ کوئی ساتھ سے گزرتے اسے دیکھتا تو سمجھتا وہ ہینڈز فری لگائے' فون پہ بات کر رہا ہے۔ مگر ہر بات لوگوں کے سمجھنے کی ہوتی بھی نہیں ہے۔

تلاوت کی بارعب' مگر خوب صورت آواز سماعتوں میں ہنوز بکھر رہی تھی۔

"البتہ وہ لوگ جو آخرت پہ ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال ان کے لیے خوب صورت بنا کر پیش کر دیے ہیں اور وہ ان ہی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ بے شک ان کے لیے برا عذاب ہے' اور وہ آخرت میں شدید نقصان میں رہیں گے۔"

دم توڑتی رات کا وقت تھا' ماحول کی ہیبت تھی' یا تلاوت کی آواز کا سحر' اسے لگا اس کی جلد کے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ کوئی عجیب سا رعب تھا جو ہر جگہ چھانے لگا۔ یہ وہ لمحے تھے جب وہ سب کچھ بھول گیا۔ زمر' فارس' ہاشم' اپنی زندگی کی پیچیدگیاں۔ کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ صرف اپنا اعمال نامہ نظر آتا تھا۔

"تو اللہ۔ ایسے آپ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں؟"

بٹن سے پین آف کرتے ہوئے وہ گویا جھرجھری لے کر کہہ رہا تھا۔

"جب میں نماز نہ پڑھوں' یا قرآن نہ پڑھوں' یا لوگوں پہ اپنے حصے سے خرچ نہ کروں' تو میرا آخرت پہ ایمان کمزور ہو جائے گا؟ اور۔ اور میں ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا جو بہت عمل کرنے والے ہوں گے مگر صرف تھکنے والے ہوں گے؟"

تعجب سے اس نے پوچھا جواب اسے خود بھی معلوم تھا۔

"جو چیز مجھے نماز اور قرآن سے دور کرے گی' اللہ کے راستے کے علاوہ جس بے مقصد چیز میں اپنا مال یا اپنا ٹیلنٹ لگاؤں گا' آپ مجھے وہ بے مقصد چیزیں دلچسپ اور خوب صورت بنا کر دکھاتے جائیں گے اور پھر میں ان ہی میں بھٹکتا رہوں گا؟ کیا صرف ایک نماز کا چھوڑ دینا اتنا مہنگا پڑے گا؟ نماز جاتی جائے گی' بے مقصد چیزیں آتی جائیں گی؟ ایسے چلا جاتا ہے ایمان؟ صرف ایک نماز کے جانے سے؟ ایک جھوٹ بولنے سے؟ ایک دل دکھانے سے؟" ایک کنارے پہ وہ ٹھہر گیا۔ تعجب سا تعجب تھا۔ حیرت سی حیرت تھی۔ سر اٹھا کر اس نے گہرے' پراسرار آسمان کو دیکھا۔ دل بھر سا آیا۔ ہینڈز فری اتار دیے۔

"اللہ تعالیٰ آئی ایم سوری' ہر اس چیز کے لیے جسے میں نے نماز سے اوپر رکھا۔ میں بار بار معافی مانگوں گا۔ آپ بس معاف کرنا مت چھوڑیے گا۔"

اسی طرح خود سے بڑبڑاتا وہ قدم بڑھاتا رہا' یہاں تک کہ مسجد کے دروازے تک آن پہنچا۔ گل خان خلاف معمول دروازے پہ ہی مل گیا۔ سعدی اپنے فجر کے قرآن میں الجھا تھا' اسے نہیں دیکھا۔ لبوں میں مدھم سا ابھی تک کچھ بول رہا تھا۔ جوتے اتارے تو ساتھ کھڑے گل خان نے حیرت سے اس کا بازو ہلایا۔

"کس سے بول رہے ہو سعدی بھائی؟"

وہ جو اپنی "دعا" ختم کر کے درود پڑھ رہا تھا' جھک کر جوتے اتارے' پھر اس چھوٹے پٹھان لڑکے کی جانب متوجہ ہوا۔

"میں اللہ تعالیٰ سے بات کر رہا تھا۔" اور ننگے پاؤں اندر صحن میں قدم رکھا۔ دم توڑتی رات کی اس گھڑی صحن کی اینٹیں ٹھنڈی تھیں۔

"توبہ۔ توبہ۔" گل خان دو انگلیوں سے باری باری دونوں کان چھوتا پیچھے آیا۔

"اللہ سے ایسے بات نہیں کیا جاتا۔ ادر (ادھر) مصلّے پہ بیٹھ کر ادب سے بات کرتا ہے۔"

"میں ادب سے ہی بات کرتا ہوں' جیسے اپنے بڑوں سے کرتا ہوں۔" وہ نرمی سے کہتا اندر چلا آیا۔ گل خان کو خوب غصہ آیا۔

"سادی بھائی۔ ابھی مولوی صاحب دیکھ لیتا تم کو ایسے بات کرتے تو تمہارے پہ فتویٰ لگ جاتا۔"

"اچھا تم بتاؤ مجھے کہ دعا کیسے مانگتے ہیں؟" وہ پُرسکون سا مسکراتا ہوا جماعت والے مرکزی کمرے میں آگے بڑھ رہا تھا۔

"ادب سے' تمیز سے' اور ادر مصلّے پہ بیٹھ کر دعا مانگا جاتا ہے۔ سر جھکا کر' رو رو کر۔ ہاں!" ہاتھ ہلا ہلا کر خفگی سے اشارہ کر رہا تھا۔ سعدی نے مسکرا کر اس چھوٹے پٹھان لڑکے کو دیکھا جو سفید پشاوری ٹوپی پہنے' پائینچے اوپر چڑھائے کھڑا تھا۔

"اللہ ہماری وہی دعا قبول کرتے ہیں گل خان! جو ہم نے دل سے مانگی ہوتی ہو' اور دل سے نکلی باتیں نیچرل ہونی چاہئیں۔ مصنوعی لفاظی' اور ٹی وی پہ بیٹھے علماء والی مشکل گاڑھی اردو۔ نہیں یار۔" اس نے بے چارگی سے نفی میں سر ہلایا۔ "میں عام زندگی میں جو سادہ زبان بولتا ہوں' مجھے اسی نیچرل انداز میں اللہ سے بات کرنی چاہیے۔"

"توبہ۔ تم چلتے پھرتے کون سا بات کر رہا تھا؟" اس کے اندر کے مفتی کو ہضم نہیں ہوا' گھور کر مشکوک انداز میں پوچھا۔

"میں فجر کا قرآن سن رہا تھا' ہر آیت کے بارے میں اپنے خیالات اللہ کو بتا رہا تھا' اور اس کے بعد میں ان کو وہ بتا رہا تھا جو میں نے کل کیا' اور جو آج کروں گا۔" جالی دار ٹوپی سر پہ لیے اس نے رسان سے جواب دیا۔

برآمدے میں لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ کوئی اسے سلام کرنے رکا تو وہ ادھر متوجہ ہو گیا۔ فارغ ہو کر واپس گھوما تو گل خان سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے پہلے بھی تمہیں دیکھا ہے' بھائی! تم ایسے خود سے بول رہا ہوتا ہے۔ تم کو ایسے اللہ تعالیٰ سے بات کرنا کس نے سکھایا؟"

وہ ہلکا سا مسکرایا' مگر وہ اداس مسکراہٹ تھی۔

"میری پھپھو نے۔ وہ بھی ایک زمانے میں ایسے ہی دعا مانگی کرتی تھیں۔" مسکراہٹ آہستہ آہستہ لبوں سے غائب ہوئی۔ "اب نہیں مانگتیں۔ لوگ بدل جاتے ہیں۔ دل سخت ہو جاتے ہیں۔" پھر سر جھٹکا۔ بہت سے خیال بھی جھٹکے۔

"تم بتاؤ' آج تمہارے تایا نے کس جگہ تھپڑ مار کر تمہیں نماز کے لیے اٹھایا ہے؟" اب کے اس نے آنکھیں سکیڑ کر گل خان کے چہرے کو ادھر ادھر سے جانچا۔

"ہا!" گل خان نے غصے سے آنکھیں پھیلائیں۔

"ہم ایسا کوئی نشئی ہے' جو خود نہیں اٹھ سکتا' ہاں؟" کمر پہ ہاتھ رکھے' ناراضی سے اسے گھورا۔

سعدی نے "اچھا" والے انداز میں ابرو اٹھایا۔ گل خان اسی طرح گھورتا رہا' پھر قدرے جز بز سا گدی پہ ہاتھ رکھ کر قریب کھسکا۔

"کیا گردن ابھی تک سرخ ہے؟" رازداری سے پوچھا۔ سعدی بے اختیار ہنس دیا' اس کے سر پہ چپت رسید کی اور امامت کی جگہ کی طرف بڑھ گیا۔ گنتی کے لوگوں کی صفیں ترتیب دی جا رہی تھیں۔ نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

بس گنتی کے لوگ! السابقون السابقون!

☆ ☆ ☆

موت سے کس کو مفر ہے مگر انسانوں کو

پہلے جینے کا سلیقہ تو سکھایا جائے

اور پھر فجر کی وہ گھڑیاں انسان کو کبھی دوبارہ نہ ملنے کے لیے کھو چکی تھیں۔ روز فجر طلوع ہوگی مگر اس دن کی پھر نہیں آئے گی۔ سورج پوری آب و تاب سے چمکنے لگا تھا' جب وہ سارہ کے گھر کا گیٹ عبور کرتے اندر آیا۔ آفس کے لباس میں تیار' سیاہ سنہری کی چین انگلیوں میں گھماتے اس نے داخلی دروازہ بجایا تو فوراً" کھل گیا۔ سامنے نور اسکول یونیفارم میں تیار کھڑی تھی۔ وہ اس کو پیار کرتا' اندر آیا تو لاؤنج میں ذکیہ بیگم امل کے بال بنا رہی تھیں۔ ایک آنکھ اس کے بالوں پہ اور دوسری ٹی وی پہ شور کرتی کسی عورت پہ تھی۔ اس کے سلام کرنے پہ چونکیں' پھر مسکرا کر خوش دلی سے اسے خوش آمدید کہا۔ ساتھ ہی ملازمہ کو آواز دی کہ ناشتہ لائے۔

"تھینک یو نانی! میں ناشتا کر کے آرہا ہوں۔" اپنی امی کی خالہ سے شائستگی سے معذرت کرتے وہ صوفے پہ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھی' اور ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھا۔

"ارے سعدی۔ تم؟" سارہ اندر سے پرس اور بیگ اٹھائے عجلت میں چلی آرہی تھی' اسے دیکھ کر رکی' حیرت سے سوال کیا' ساتھ ہی دوسرے ہاتھ میں پکڑے کاغذ بیگ میں رکھے۔ وہ بے اختیار کھڑا ہوگیا۔

"آفس کے راستے میں سوچا' آپ سے ادھر مل لوں۔ پھر وہاں تو وقت ہی نہیں ملتا' باس!"

"کیا ہوا؟ خیریت؟" وہ سامنے آئی۔ بالوں کا فرنچ جوڑا بنائے' لمبی قمیص دوپٹے اور کانوں میں ٹاپس پہنے' سعدی کی پراجیکٹ ڈائریکٹر آفس کے لیے تیار لگ رہی تھی۔

"کل کے پروگرام کا پوچھنا تھا۔ آپ آئیں گی نا؟ زمر اور فارس کا نکاح ہے کل۔"

بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتے اس نے احتیاط سے لفظ چنے۔ سارہ کے بیگ میں کاغذ گھسیڑتے ہاتھ ذرا کی ذرا ڈھیلے پڑے' گردن موڑی۔ ادھر ادھر بھاگتی بچیوں کو دیکھا۔

"اپنے بیگز لو' اور گاڑی میں بیٹھو فٹافٹ۔ میں آرہی ہوں۔" پھر چہرہ اس کی طرف پھیرا' ذرا پھیکا سا مسکرائی۔

"ہاں' ندرت آپا نے فون کیا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی سن کر۔ ہاں تھوڑی سی حیرت بھی ہوئی۔ فارس کو رہا ہوئے ابھی تین ہفتے تو ہوئے ہیں۔ مگر۔ ضرور یہی اچھا ہوگا۔" سر ہلا کر کہتے اس نے موبائل بیگ کے زپ والے خانے میں رکھا۔

"آپ۔ آئیں گی نا؟"

"اصل میں میری پلاننگ کمیشن کے کچھ عہدیداروں کے ساتھ کل میٹنگ ہے۔"

"کل اتوار ہے خالہ!"

"تو لنچ پہ ہے نا میٹنگ۔" (ذکیہ بیگم نے نفی میں تکان سے سر جھٹکا)

"آپ کو پتا ہے میں پندرہ منٹ میں پلاننگ کمیشن والوں سے لنچ کی تاریخ اور وقت معلوم کرلوں گا۔"

"اوکے سعدی!" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "میں نہیں آسکوں گی۔"

"ہم لوگ آپ کی فیملی ہیں' آپ کو آنا چاہیے۔ میں جتنا سب کو جوڑ کر رکھنا چاہتا ہوں' اتنے ہی سب ایک دوسرے سے دور ہوتے جارہے ہیں۔" اس نے شاکی نظروں سے سارہ کو دیکھا۔

"تمہیں پتا ہے میں گیدرنگز میں نہیں جاتی۔"

"مجھے یہ پتا ہے کہ آپ فارس ماموں سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو دور رکھنے کی کوشش کررہی ہیں۔" حیرت بھرے دکھ سے وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ قاتل نہیں ہیں یو نو دیٹ!" (آپ جانتی ہیں یہ)

"مگر فارس وجہ ہے اس سب کی!" وہ قدرے بلند آواز سے بولی۔ آنکھوں میں درد' بے بسی' نمی' سب ایک ساتھ ابھرا۔ "اس کو پھنسانے کے لیے اس کے بھائی اور بیوی کو مارا گیا۔ فارس کا مطلب ہے "مصیبت" اور میں اپنے بچوں کو ہر قسم کی مصیبت سے دور رکھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ جب ایک دفعہ کوئی مرجاتا ہے تو واپس نہیں آتا' بھلے تم اس کے لیے کتنے

انتقام لیتے پھرو۔"
سعدی چند لمحے کے لیے خاموش رہ گیا' مگر پھر مضبوطی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔
"یو نو واٹ' سب سے زیادہ مصیبت میں کون لوگ پڑتے ہیں؟ جو سب سے زیادہ مصیبتوں سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سی یو ان آفس۔"
اور اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہ ذکیہ بیگم کو سلام کرتا باہر نکل گیا۔
سارہ نے افسوس سے سر جھٹکا' پھر مڑی تو ذکیہ بیگم خفگی سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔
"امی! میں کسی لیکچر کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں نے کہا' ہم نہیں جائیں گے تو نہیں جائیں گے۔" ان سے نگاہ ملائے بغیر وہ بیگ اٹھائے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ جب وہ باہر نکلی تو سعدی کی کار دور جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
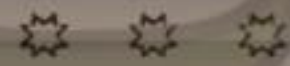
قیس تھا لاجواب لیلیٰ بھی
جب سوال ایک کی بقا کا تھا

اتوار کی شام یوسف صاحب کے گھر پہ کوئی ایسی دھن فضاؤں نے بکھیر رکھی تھی جس میں نہ آواز تھی' نہ موسیقی' صرف کیفیت تھی۔ خوشی کی کیفیت۔ لاؤنج میں رونق سی لگی تھی گوکہ مہمان کوئی نہیں تھا' سب اپنے ہی لوگ تھے۔ ادھر سامنے صوفے پہ ندرت اور فارس کے کزن' جمال بھائی تھے۔ ان کی بیگم تھیں۔ سارہ کی والدہ ذکیہ خالہ تھیں۔ ان کے ہمراہ شفون کا جوڑا پہنے' عرصے بعد تیار سی ہوئی ندرت بیٹھی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے ان لوگوں سے محو گفتگو تھیں۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر مقابل صوفوں کی سمت بھی دیکھ لیتیں' جہاں فارس بیٹھا تھا۔ اس نے آف وائٹ کرتا پہن رکھا تھا' تین ہفتے قبل جیل سے رہا ہوتے وقت کے بے حد چھوٹے بال' اب قدرے بڑھ کر اچھے لگ رہے تھے۔ البتہ خاموش تھا' سنجیدہ اور خاموش۔ بس گردن بڑے ابا کی طرف موڑے دھیان سے ان کی کوئی بات سن رہا تھا۔
بڑے ابا خوش تھے' دھیما مسکرا بھی رہے تھے۔ انہوں نے بھی آف وائٹ نئی شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ تازہ دم اور صحت مند دکھائی دے رہے تھے۔ کبھی فارس سے کوئی بات کہتے تو کبھی قریب بیٹھے نکاح خواں قاری صاحب سے۔ ایسے میں سیم ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے سب سے زیادہ اداس بیٹھا تھا۔ اگر ندرت اس کو غلطی سے دیکھ لیتیں تو بنا آواز کے ہونٹ ہلا کر پوچھنے لگ جاتا۔
"کھانا کب لگے گا؟" اور دو تین دفعہ تو ندرت کا ہاتھ جوتے تک جاتے جاتے رہ گیا۔
راہداری سے آگے بڑھتے جاؤ تو زمر کے کمرے کا دروازہ آ جاتا۔ وہ بند تھا۔ اس کے پار اندر بھی گویا مصروف سا انداز لگتا تھا۔ حنین اپنے گلابی لمبے گاؤن میں ملبوس' کھلے بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے' سر جھکائے ڈریسنگ ٹیبل پہ کھلا میک اپ کا سامان ٹھیک کر رہی تھی۔ ساتھ ہی امی کی کزن فرزانہ کھڑی کچھ کہہ رہی تھیں۔ فرزانہ کے شوہر امجد بھائی جو زمر کے بھی کزن ہوتے تھے' سعدی کے ہمراہ سامنے کاؤچ پہ بیٹھے تھے۔
سعدی جو بھورے کرتے میں ملبوس تھا' قلم کھولتے ہوئے نکاح کے کاغذات لیے کاؤچ سے اٹھا اور جھک کر انہیں زمر کے گھٹنوں پہ رکھا' جو ڈریسنگ ٹیبل کے اسٹول پہ بیٹھی' ان کی طرف رخ کیے ہوئے تھی۔ اس نے ہلکے کام کی سفید لمبی میکسی پہن رکھی تھی۔ نیچے سلک کا پاجامہ ٹخنوں کو ڈھکے نظر آتا تھا۔ کامدار دوپٹے کے کناروں کی سبز پائپنگ اور کہیں کہیں سبز اسٹونز کے سوا' پورا لباس سفید تھا۔ بال سیدھے کر کے اونچا جوڑا بنا تھا جس پہ دوپٹہ ٹکا تھا' میک اپ ہلکا تھا' کانوں میں اور گردن میں ننھے ہیرے تھے۔ وہ خوب صورت لگ رہی تھی اور پر سکون بھی۔ سکون سے چہرہ جھکائے نکاح کے کاغذات کے صفحے پلٹے' پھر کاجل سے گھری کی ہوئی بھوری آنکھیں اٹھا کر سعدی کو دیکھا اور سوالیہ ابرو اٹھائی۔
"یہ کیا ہے؟" امجد بھائی کی موجودگی کے باعث

مسکرا کر پوچھا۔ وہ بھی شرارت سے مسکراہٹ دبائے اتنی ہی معصومیت سے بولا۔

"اسے نکاح نامہ کہتے ہیں۔"

"جی، مگر سعدی.... یہ سیکشن کاٹنے سے میں نے غالباً" منع کیا تھا۔" مسکرا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورتے ہوئے پوچھا۔ اس کا اشارہ حق طلاق کی جانب تھا۔

"یہ آپ کے والد کی خواہش تھی، جو مجھ جیسے تابع دار پوتے نے پوری کی۔ آپ کو کوئی اعتراض؟"

زمر نے گہری سانس لے کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ "میرے والد سے کہیے، جس طرح میں نے کہا تھا، ویسا ہی نکاح نامہ تیار کر کے مجھے بھجوائیں، میں دستخط کردوں گی۔" کاغذات اس کی طرف بڑھائے۔

سعدی نے مسکرا کر کاغذ کے بجائے اس کا ہاتھ تھاما، اسے آہستہ سے اسٹول سے اٹھایا، اور دروازے تک لے آیا۔ دروازہ کھولا اور سامنے لاؤنج کا منظر دکھایا۔ یہاں سے بڑے ابا اور فارس نظر آرہے تھے، کیونکہ وہ مرکزی جگہ پہ بیٹھے تھے۔

"آپ یہ بات اپنے والد سے خود جا کر کیوں نہیں کہہ دیتیں۔ کتنے خوش ہوں گے وہ سن کر، ہے نا؟"

اسی معصومیت سے سعدی نے زمر کو دیکھا۔ زمر نے اس طرف چہرہ کیا۔ ابا مسکراتے ہوئے فارس سے کچھ کہہ رہے تھے۔ خوش، پُرامید، پہلے سے جوان۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تماشا نہیں کر سکتی تھی۔ زمر نے گھور کر سعدی کو دیکھا۔

"تمہیں پتا ہے، کسی کی مرضی کے خلاف ڈاکومنٹ پہ دستخط کروانا کتنا بڑا جرم ہے؟"

"جی۔ تو آپ مجھے اس جرم میں گرفتار کیوں نہیں کروا دیتیں؟" وہ پھر سے مسکرایا۔ زمر لب بھینچے وہیں کھڑی اسے گھورتی رہی۔ تب ہی بڑے ابا کی بات سنتے فارس نے انہیں دیکھنے کے لیے سر اٹھایا، تو.... نگاہ پھسلی۔ راہداری کے سرے پہ کمرے کے کھلے دروازے پہ وہ سعدی کے ساتھ کھڑی تھی۔ نیم رخ نظر آتا تھا۔ دوپٹہ سر پہ ٹکا تھا اور نیچے پاؤں تک گرتا میکسی کا فلیئر۔ وہ سعدی کو دیکھ رہی تھی۔ فارس نے ایک نظر ادھر دیکھا، پھر فوراً" چہرہ موڑ کر ابا کو دیکھنے لگا۔

"میں ابا سے حساب بعد میں لے لوں گی۔ اور یہ مت سمجھنا کہ ایک سیکشن کاٹنے یا نہ کاٹنے سے میرے حقوق پہ کوئی فرق پڑے گا۔"

دروازے میں کھڑے انگلی اٹھا کر دبی آواز میں اسے تنبیہہ کی۔ "وکیلوں کو ایک ہزار ایک طریقے آتے ہیں، اپنی مرضی کے مطابق قانون کو ڈھالنے کے لیے۔"

خفگی سے اسے دیکھ کر مڑی اور رسمی مسکراہٹ کے ساتھ واپس اسٹول پہ آکر بیٹھ گئی۔ کمرے کے باقی لوگ اپنی آوازوں کے باعث ان کی گفتگو سے یکسر انجان رہے۔ وہ بیٹھی تو سعدی نے نکاح نامہ اس کی گھٹنوں پہ رکھا، اس کے قریب جھک کر اس نے دعائیہ کلمات پڑھے۔ قلم اس کے ہاتھ میں دیا۔

"کیا آپ زمر یوسف ولد یوسف خان، فارس غازی ولد ظہیر غازی کو دس لاکھ روپے حق مہر سکہ رائج الوقت اپنے نکاح میں....." وہ لڑکا سنجیدگی سے عقد نکاح کی سطور پڑھ رہا تھا۔ زمر کا سر جھکا تھا اور قلم انگلیوں کے درمیان تھا۔

"میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا۔ صرف ایک گولی۔ آئی ایم سوری زمر۔"

"قبول ہے۔" اس نے سر ہلا کر ہلکے سے کہا۔

"میں بے گناہ تھا میڈم زمر! میں بے گناہ تھا۔"

"قبول ہے۔"

"میں.... معافی نہیں مانگوں گا۔"

"قبول ہے۔" آخری دفعہ کہتے اس کی جھکی آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھری۔ مگر اس نے وہ سب اندر اتار لی۔

دھڑا دھڑ مطلوبہ جگہوں پہ دستخط کیے۔ قلم اور کاغذات سعدی کی طرف بڑھائے۔ وہ کوئی دعا پڑھتے اٹھا، زمر کے سر پر ہاتھ رکھا، جھک کر اس کے بال چومے اور کاغذات لیے، امجد بھائی کے ہمراہ باہر نکل گیا۔ زمر نے سر اٹھا کر دیکھا تو حنین اسی طرح کھڑی

تھی اور فرزانہ باجی اپنی بیٹی کے ہمراہ اسی طرح بولے جا رہی تھیں، مگر وہ جانتی تھی کہ اب کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہے گا۔

"مبارک ہو پھپھو۔" حنہ نے آہستگی سے نگاہ ملائے بغیر کہا تو زمر نے مسکرا کر سر کو خم کیا۔ رخ واپس ڈریسنگ کے آئینے کی جانب موڑا۔ اپنا عکس دیکھا۔ کام دار لباس میں وہ اچھی لگ رہی تھی۔ ادھر کھلے دروازے سے باہر کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایجاب و قبول کے الفاظ۔ اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے جبراً" مسکراتے وہ آوازیں سنیں۔ فرزانہ باجی اور ان کی بیٹی باہر نکل گئیں۔

حنین وہیں کھڑی رہ گئی۔ باہر دعا ہو رہی تھی۔

زمر نے جھک کر ڈریسر کی دوسری دراز کھولی۔ دو ڈبیاں نکالیں۔ ایک سیاہ مخملیں ڈبی اور دوسری سرخ۔ پہلی ڈبی کھولی تو وہ اندر سے خالی تھی۔ سوائے ننھے سے کارڈ کے، جس پہ فارس کے لکھے الفاظ کی سیاہی ابھی تک ویسی ہی تھی۔ حنہ نے ذرا چونک کر اسے دیکھا جو ساتھ ہی دوسری نئی ڈبی بھی کھول رہی تھی۔ اس کے اندر وائٹ گولڈ کی ننھی سی نتھ رکھی تھی۔

"دیکھو حنہ! ابا نے مجھے شادی کا کیا تحفہ دیا۔" زمر دو انگلیوں سے ناک کی لونگ اتارتے ہوئے بولی۔ یہ واپس رکھنی تھی اور نئی پہننی تھی۔ حنین ایک دم بے چینی سے سیدھی ہوئی۔

"آپ..... یہ مت اتاریں۔" اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا کہے۔

لونگ کھولتے اس کے ہاتھ رکے۔ سوالیہ نگاہوں سے حنہ کا چہرہ دیکھا۔ "کیوں؟"

"یہ... یہ اچھی لگ رہی ہے۔ بس آپ یہ نتھ مت پہنیں۔"

"کیوں نہ پہنے؟" آواز پہ دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ ندرت بڑے ابا کی وہیل چیئر لا رہی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے زمر کے قریب آئے' اس کے سر پہ ہاتھ رکھا' مدھم آواز میں کوئی دعا دی۔ حنین اس دوران بے چینی سے انگلیاں موڑتی رہی۔

"ہاں تو کیوں نہ پہنے میری بیٹی میرا تحفہ؟" انہوں نے مصنوعی خفگی سے حنہ کو دیکھا۔

"کیونکہ..... یہ نتھ مجھے پسند آگئی ہے۔ پھپھو کے پاس تو اس سے زیادہ قیمتی والی پہلے ہی ہے۔ یہ میں رکھ لوں ابا؟"

لپک کر نتھ کی ڈبی اٹھائی اور معصومیت سے پلکیں جھپکا کر پوچھا۔ بڑے ابا مسکرا دیے۔

"میں نے اپنی بیٹی کے لیے خریدی تھی۔ اب کون سی بیٹی اسے رکھے' یہ تم دونوں خود طے کر لو۔" کہتے ساتھ انہوں نے زمر کے چہرے کو بھی دیکھا۔ وہ بھی نرمی سے مسکرا دی۔

"شیور حنہ! یہ تمہاری ہوئی۔" وہ ڈھیلی کردہ لونگ دوبارہ کسنے لگی۔ اور ندرت کا ہاتھ جوتے تک جاتے جاتے رہ گیا۔

"تمیز ہے تم میں؟ ابا نے زمر کو شادی کا گفٹ دیا ہے' کسی کا گفٹ لینا کہاں سے سیکھا ہے تم نے؟" غصے سے لال پیلی ہوتی ندرت کا بس نہیں چل رہا تھا' دو تھپڑ لگا دیں اسے۔

"تو باقی سب بھی تو ابا نے دیا ہے پھپھو کو۔ اب مجھے اچھی لگ گئی تو کیا کروں؟" وہ نروٹھے پن سے کہتی ڈبی مٹھی میں جکڑے کھڑی رہی۔

"تم گھر تو پہنچو' تمہیں سیدھا کرتی ہوں میں۔" ندرت نے اشارۃً مدعا سمجھا دیا۔ وہ ڈھیٹوں کی طرح دوسری جانب دیکھنے لگی۔ زمر بڑے ابا سے بات کر رہی تھی۔ پھر وہ مسکرا کر دوبارہ اسے کوئی دعا دیتے' ندرت کے ہمراہ باہر کی طرف ہو لیے تو زمر اس کی طرف گھومی۔

"تو تم ناک چھدوا رہی ہو؟ اچھی لگے گی تم پہ۔" مسکرا کر کہتے وہ کھڑی ہوئی۔ ابھی بس چند منٹ میں اسے باہر جا کر مہمانوں کے سامنے بیٹھنا تھا۔ فارس کے ساتھ بیٹھنا تھا' وہ آئینے میں اپنا سراپا دیکھتی' کندھے سے دوپٹے کی پن درست کرنے لگی۔

حنین ڈبی کھول کر نتھ کو یونہی چھیڑنے لگی۔

اور یہ تب ہی تھا جب ان دونوں نے وہ آواز سنی۔

کھلی کھڑکی کے باہر گھر کی چار دیواری تھی' اور درمیان کی چار فٹ کی گلی میں سعدی موبائل پہ عجلت میں بات کرتا چلا آرہا تھا۔ اس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"مس حلیمہ! میں سوموار کو' یعنی کہ کل' صبح دس بجے آنا چاہتا ہوں۔ آجاؤں؟" وہ موبائل کان سے لگائے چہرہ جھکائے کہہ رہا تھا۔ حنین اور زمر بے اختیار اسے دیکھنے لگیں۔ نکاح کے فوراً "بعد" اتنے مصروف وقت میں بھی وہ کسی کو یوں باہر نکل کر کال کر رہا تھا۔ زمر آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھتی کھڑکی کے قریب آئی۔

"اوکے۔ پھر میں دس بجے پہنچ جاؤں گا۔ آپ..." کہتے کہتے نگاہ اٹھائی تو کھڑکی کی جالی کے پیچھے دلہن بنی زمر کھڑی تھی۔ وہ "آپ ہاشم کو..." کے بجائے "آپ اور بتا دیجیے گا" کہہ کر جلدی سے کال بند کر کے زمر کو دیکھ کر مسکرایا۔

"ہوں۔ تو یہ حلیمہ کون ہے؟" اس نے شرارتی مسکراہٹ دبائے پوچھا۔ سعدی نے "اف" کے انداز میں بھنویں بھینچ کر اسے دیکھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ ایک میٹنگ کا ٹائم لے رہا تھا۔"

"اور کس سے میٹنگ؟ حلیمہ کے والدین سے؟"

"اللہ' زمر۔ آپ بھی نا۔" اس نے شرمندہ سا ہوتے ہوئے سر جھٹلایا۔ "مجھے واقعی اس کے باس سے ملنا ہے۔"

"اچھا تو کون ہے حلیمہ کا باس؟" وہ اسی طرح مطمئن' پرسکون سی پوچھ رہی تھی۔ سعدی نے سوچتے ہوئے ٹھوڑی کھجائی۔ کیا جواب دے؟ سات سالوں کی ساری یادیں امڈ کر آنکھوں کے سامنے آئیں اور پھر۔

"وہ... نیسکام کا ایک سائنس دان ہے' کام کے سلسلے میں ملنا تھا اس سے۔ آپ بھی نا۔"

اور بہت خفگی سے سعدی ذوالفقار یوسف خان نے جھوٹ بول دیا' پھر واپس مڑ گیا' یہ جانے بغیر کہ آج اس نے اپنی زندگی کی دوسری بڑی غلطی کر دی ہے۔ پہلی اسے کل عین اسی وقت کرنا تھی۔

زمر مسکراہٹ دبائے اسے جاتے دیکھتی رہی اور حنین نے گہری سانس لے کر کندھے اچکا دیے۔

وہ دونوں' اور لاؤنج میں بیٹھے مسکراتے بڑے ابا' اور سنجیدہ سا بیٹھا فارس' اور کھانا کھلنے کا انتظار کرتا سیم' اور خوشی سے بار بار نم ہوتی آنکھوں کو پونچھتیں ندرت' اور کچن میں بھاگ بھاگ کر کام کرتا صداقت' وہ سب اس بات سے ناواقف رہے کہ ٹھیک تیس گھنٹے اور بارہ منٹ بعد' وہ سعدی یوسف کو کھو دیں گے۔

(باقی ان شاءاللہ آئندہ ماہ)